وعظ

اکمال الصوم والعید

(رمضان وعید کی تکمیل)

یہ وعظ حضرت تھانویؒ نے ۲۸ رمضان ۱۳۲۹ھ جامع مسجد تھانہ بھون میں تدارک تقصیراتِ رمضان واحکام عید پر ۳ گھنٹے بیٹھ کر ارشاد فرمایا۔ سامعین کی تعداد تقریباً ۲۵۰ تھی۔ مولانا سعید احمدؒ تھانوی نے اسے قلم بند فرمایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یہدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریك لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدًا عبدہٗ ورسولہٗ۔

اما بعد! فقد قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لشھر رمضان "ھو شھر اولہ رحمۃ واوسطہ مغفرۃ واٰخرہ عتق من النیران"

تمہید

فضائل رمضان کے متعلق گذشتہ جمعہ میں مبسوط(۱) مضمون بیان ہو چکا ہے آج صرف دو مضمونوں کا بیان کرنا مقصود ہے ایک بقیہ رمضان المبارک کے متعلق اور دوسرا عید کے متعلق۔ اس حدیث شریف کو اس لئے اختیار کیا گیا کہ اس میں دونوں مضمونوں کے متعلق ذکر ہے۔

خطبۂ شعبان

یہ حدیث شریف ایک بڑی حدیث کا جزو ہے جس کو نبی کریم ﷺ نے شعبان المعظم کے آخری جمعہ کے دن خطبہ میں پڑھا تھا اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے شعبان کے آخری جمعہ میں ایک خاص خطبہ پڑھا جو کہ

(۱) تفصیلی۔

اور جمعوں میں نہ پڑھتے تھے مسلمانوں سے تعجب ہے کہ انہوں نے اس منصوص (۱) پر تو توجہ نہ کی اور شعبان کے آخری جمعہ کے لئے کوئی خاص خطبہ تجویز نہ کیا' جس سے وہ عامل بالسنۃ ہوتے اس کے بجائے رمضان کے آخری جمعہ کے لئے ایک خاص خطبۂ الوداع اختراع (۲) کیا جس کا کہیں حدیث میں پتہ نہیں اور پھر اس کے ساتھ ایسا شغف ہوا کہ بغیر اس خاص خطبہ کے پڑھے یہ سمجھا جاتا ہے کہ گویا جمعہ ہی نہیں ہوا اگرچہ بحمداللہ اس وقت لوگوں کو اس کے نہ پڑھنے سے وہ وحشت جو کہ اس کے قبل ہوتی تھی نہیں ہوتی لیکن تاہم اب بھی ایسے بہت سے لوگ ہیں جو کہ اس خاص الوداعی خطبہ کو آخری جمعہ رمضان کا لازمی عمل سمجھتے ہیں اور بڑا تعجب تو یہ ہے کہ بعض اہلِ علم کو بھی دھوکا ہوگیا اور وہ سخت غلطی میں مبتلا ہوگئے' کہتے ہیں کہ اگرچہ آخری جمعہ کے لئے کوئی خاص خطبہ تجویز کرنا بدعت ہے لیکن چونکہ اس کی وجہ سے لوگ اکثر جمع ہوجاتے ہیں اس لئے اس کو اجتماع کے لئے معین (۳) اور اداءِ صلوٰۃ کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے باقی رکھنا چاہئے حالانکہ یہ سخت غلطی اور من وجہ (۴) خدا ورسول پر اعتراض کرنا ہے۔

ترکِ مصالح

غلطی تو اس لئے کہ شریعت کا مشہور حکم ہے کہ اگر کسی کام کے کرنے میں کچھ مصلحتیں بھی ہوں اور کچھ مفاسد (۵) بھی ہوں اور وہ کام بالذات یا بالغیر مطلوب (۶) شرعی نہ ہو تو ان مفاسد پر نظر کرکے اس کام کو ترک کردیں گے اور مفاسد (۷) سے بچیں گے۔ مصالح کا اعتبار نہ کریں گے اور یہ ایک کلیہ قاعدہ ہے

(۱) حدیث میں منقول (۲) گھڑلیا (۳) مددگار (۴) گویا کہ ایک اعتبار سے (۵) خرابیاں (۶) اپنی ذات کے اعتبار سے ضروری نہ ہو اور نا ہی کسی شرعی مطلوب کے لئے ضروری ہو (۷) ان خرابیوں کی وجہ سے۔

جس کو اہلِ علم بخوبی سمجھ گئے ہوں گے لیکن عوام کے سمجھانے کے لئے اس کو ایک مثال میں بیان کرتا ہوں۔

مثلاً ایک شخص مجلس رقص منعقد کرے اور کہے کہ اگرچہ رقص فی نفسہ ممنوع(۱) اور حرام ہے لیکن میری غرض اس مجلس سے لوگوں کو جمع کرنا ہے تاکہ جمع ہوجانے کے بعد میں اپنی وجاہت سے کام لے کر ان کو نماز پڑھنے پر مجبور کروں اور اس طرح ان کو نماز پڑھنے کی عادت ہوجاوے تو دیکھئے بظاہر اس مجلس کی غایت(۲) کس قدر خوبصورت ہے کہ اس کے ذریعے سے لوگوں کو نماز پڑھنے کی عادت ڈالی جاتی ہے لیکن چونکہ اس مجلس میں ایک مصلحت کے ساتھ بہت سے مفاسد بھی ہمدوش(۳) ہیں اور مجلس رقص بالذات یا بالغیر مطلوب نہیں جیسا کہ ظاہر ہے اس لئے شریعت اس مصلحت مذکورہ کی وجہ سے اس کی اجازت نہ دے گی بلکہ اس کے مفاسد پر نظر کر کے اس مجلس کے انعقاد سے باز رکھے گی۔

ہاں اگر کوئی کام بالذات یا بالغیر مطلوب(۴) ہو اور اس میں مصالح کے ساتھ مفاسد بھی ہوں تو اس کام کو ان مفاسد(۵) کی وجہ سے ترک نہ کیا جاوے گا بلکہ اس کو باقی رکھ کر مفاسد کی اصلاح کرنے کی کوشش کی جاوے گی۔ مثلاً عیدگاہ کا اجتماع ادائے صلوٰۃ(۶) کے لئے شرعاً مطلوب ہے پھر اگر لوگ اپنی بدتمیزی کی وجہ سے اس میں کچھ خرابیاں آمیز(۷) کرلیں جیسا کہ آجکل عام طور سے بچوں کو عیدگاہ میں لے جانے کا رواج ہوگیا ہے جس کو دیکھو وہ اپنے ساتھ ایک دم چھلا ضرور لئے ہے اور حیرت تو یہ ہے کہ باوجود ہر سال تکلیف اُٹھانے کے پھر بھی

(۱) اپنی ذات کے اعتبار سے منع اور حرام ہے (۲) مقصد (۳) اس کے ساتھ بہت سی برائیاں بھی لگی ہوئی ہیں (۴) البتہ کوئی ایسا کام جو شریعت میں خود مقصود ہو یا شریعت میں مقصود کام کا معاون ہو (۵) برائیوں (۶) نماز کی ادائیگی کے لئے۔ (۷) ملالیں۔

لوگوں کو اس کی ذرا حس اور تمیز نہیں ہوتی شاید کوئی سال ایسا ہوتا ہو کہ بچے عیدگاہ میں جا کر عین نماز کے وقت رونا بسورنا نہ شروع کرتے ہوں بلکہ ایک دو تو ان میں سے ہگ موت (۱) بھی دیتا ہے۔

خود میرے سامنے کا واقعہ ہے کہ میرے ایامِ تعلّم (۲) میں ایک میرا عزیز کم عمر میرٹھ کی عیدگاہ میں والد صاحب کے ساتھ گیا اور اس نے نماز کے وقت قضاءِ حاجت کی فرمائش کی اس کی فرمائش سن کر سخت پریشانی ہوئی اوّل تو عین نماز کا وقت، دوسرے میرٹھ کی عیدگاہ جس میں ہزاروں کا مجمع کہیں قریب ایسا جنگل بھی نہیں جس میں اس کو بٹھلا دیا جاتا پھر نماز کھڑے ہونے کا وقت بالکل قریب آخر یہ تجویز ہوئی کہ ایک حلوائی کو چار آنے دیئے گئے اس نے اپنے تخت کے نیچے ان کو بٹھلا لیا چاروں طرف سے کپڑا لٹکا ہوا تھا اوپر رنگ برنگ کی مٹھائی اور اندر یہ تحفہ بھرا ہوا تھا۔

یہاں ایک عبرتناک مضمون خیال میں آیا کہ یہی حالت ہم لوگوں کی ہے کہ اس مٹھائی کی طرح ہمارا ظاہر تو نئے نئے انداز سے پر رونق اور چکنا چپڑا رہتا ہے لیکن ہمارے باطن کی یہ حالت ہے کہ گودر گومرغی کا گو (۳)۔ ہوائے نفسانی سے لبریز بیہودہ خیالات سے پُر، خدا سے دُور، شیطان سے قریب۔ ایک محقق نے خوب فرمایا ہے۔

از بروں چوں گور کافر پُر حلل واندروں قہر خدائے عزوجل
از بروں طعنہ زن بر بایزید واز درونت ننگ میدارد یزید

''باہر سے کافر کی قبر کی طرح پرشان وشوکت اور اندر کا حال خدا تعالیٰ کے قہر میں ظاہر میں بایزید اور اندر میں یزید کے بھی چچا''۔

(۱) پیشاب پاخانہ بھی کر دیتا ہے (۲) زمانہ تعلیم میں (۳) نجاست پر نجاست۔

صورت تو ایسی مقطع(۱) کو معلوم ہو کہ اگر وحی منقطع نہ ہوچکی ہوتی تو حضرت جبرئیل انہیں کی خدمت میں آتے اور دل کی یہ حالت کی شیطان کے بھی شیطان جیسا حدیث میں ہے۔(اَلْسِنَتُھُمْ اَحْلٰی مِنَ السُّکَّرِ وَ قُلُوْبُھُمْ اَمَرُّ مِّنَ الذِّئَابِ یَلْبَسُوْنَ جُلُوْدُ الضَّبْأنِ) ''ان کی زبانیں تو شکر سے بھی زیادہ شیریں ہیں اور ان کے قلوب بھیڑیوں سے بھی زیادہ سخت ہیں جو پہنے ہوئے ہوں بھیڑیوں کی کھالیں''۔

عِید گاہ کی حاضری

غرض عیدگاہ کی حاضری میں مصلحت بھی ہے اور مفسدہ بھی ہے تو اگر کوئی عاقل پہلے کلیہ کی بنا پر یہ کہے کہ ان مفاسد کی وجہ سے عیدگاہ کا اجتماع بھی چھوڑ دینا چاہئیے۔ جس طرح رقص کی مجلس باوجود ایک مصلحت کے کثرتِ مفاسد کی وجہ سے واجب الترک(۲) ہوئی تو اس سے کہا جاوے گا کہ چونکہ عیدگاہ کا اجتماع شریعت میں مطلوب ہے اس لئے اس موقع پر وہ قاعدہ نہ برتا جاوے گا اور عیدگاہ کا جانا ترک نہ کیا جاوے گا بلکہ بجائے اس کے ان مفاسد کی اصلاح کی کوشش کی جاوے گی یعنی مثلاً لوگوں سے کہا جاوے گا کہ بچوں کو عیدگاہ میں لے کر نہ آیا کریں اور اگر کسی کو اس اجتماع کی مطلوبیت میں کلام ہو جیسا اس وقت بعض نام کے مشائخ بجائے عیدگاہ کے اپنی مساجد ہی میں بلاضرورت صرف امتیاز کے لئے عیدین پڑھتے ہیں تو میں اس کا ثبوت حدیث سے دیتا ہوں دیکھئے مسجد نبوی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) میں نماز پڑھنے سے پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ملتا ہے لیکن باوجود اس کثرتِ ثواب کے نبی کریم ﷺ ہمیشہ اس موقع پر عیدگاہ میں تشریف لے گئے اور مسجد نبوی

(۱) وضع قطع ایسی عمدہ کہ ایسا لگتا ہے کہ اگر وحی کا سلسلہ ختم نہ ہوا ہوتا تو جبرئیل علیہ السلام اسی کے پاس آجاتے
(۲) چھوڑنے لائق ہے۔

میں نماز نہیں پڑھی پس معلوم ہوا کہ عیدگاہ کا اجتماع ایک مہتم بالشان مطلوب ہے اور ممکن ہے کہ عیدگاہ کے ثواب میں بجائے کثرت کمی کے کیفاً(۱) کثرت ہوجاتی ہو یعنی وہ ایک ثواب ہی ان پچاس ہزار ثواب سے زیادہ ہوتا ہو اور اسی کثرتِ کیفی کی وجہ سے نبی کریم ﷺ مسجد کو چھوڑ کر عیدگاہ جاتے ہوں۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک بچے کے سامنے ایک گنی (۲) اور دس روپیہ پیش کئے جاویں تو بچہ دس روپیوں کو عدد میں زیادہ دیکھ کر انہیں کو اُٹھالے گا لیکن اگر کسی بڑے آدمی کے سامنے ان دونوں کو پیش کیا جاوے تو وہ روپوں کو چھوڑ دے گا اور گنی اُٹھالے گا۔ کیونکہ گنتی میں گو ایک اور دس کا فرق ہے لیکن کیفاً وہ ایک ان دس سے زیادہ ہے پس اسی طرح ممکن ہے کہ عیدگاہ کے اجتماع میں کیفا اس قدر ثواب ہو کہ مسجد نبوی کے اجتماع میں وہ نہ ہو۔

اشکال کا جواب

اور ہر چند کہ یہ تضاعف ثواب مسجد نبوی کا مخصوص ہے فرائض کے ساتھ (۳) اور اس وجہ سے ممکن ہے کہ کسی کو استدلال مذکور میں خدشہ ہو کہ صلوٰۃ عیدین میں یہ تضاعف مسجد نبوی میں نہ ہوتا۔

پس استدلال (۴) تام نہیں سو جواب یہ ہے کہ واجب بھی ملحق (۵) ہوتا ہے فرض کے ساتھ، پس دونوں کا یکساں حکم ہوگا اور عیدگاہ کے اجتماع میں بالخصوص یہ بھی بھید (۶) ہے کہ مسلمان مختلف اطراف سے سمٹے ہوئے ایک میدان میں جمع

(۱) یعنی اگرچہ گنتی کے اعتبار سے وہاں پچاس ہزار کا ثواب نہ ہو لیکن کیفیت کے اعتبار سے اس ایک کا ثواب اُس پچاس ہزار سے زائد ہو (۲) سونے کا سکہ (۳) اگرچہ مسجد نبوی میں پچاس ہزار کے ثواب کی زیادتی فرض نمازوں کے ساتھ مخصوص ہے (۴) اس روایت سے استدلال کرنا ٹھیک نہیں (۵) واجب بھی فرض سے ملا ہوتا ہے یعنی دونوں کا ایک حکم ہے عمل کے اعتبار سے (۶) راز۔

ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں تو ان کا اجتماع ان کے بدخواہوں کے قلب پر مؤثر ہوتا ہے اور اسلامی شوکت ظاہر ہوتی ہے اور یہ اعظم مقاصدِ ملّت سے ہے۔

جماعت سے نماز پڑھنے کی حکمتیں

اور اس خاص اجتماع میں مطلق اجتماع جو متحقق ہے وہ خود بھی اسرارِ مہمّہ پر مشتمل ہے چنانچہ ایک ادنیٰ راز یہ ہے کہ سب کی عبادات مجتمع ہوکر جو سرکار میں پیش ہونگی اگر بعض بھی قابل قبول ہوئیں تو اس کی برکت سے بقیہ بھی مقبول ہوں گی اور انہیں حکمتوں سے شرع میں جماعت کا بہت اہتمام ہے حتی کہ جماعت کی نماز اگر وسوسوں کے ساتھ بھی ہو تب بھی تنہا نماز سے بدرجہا بڑھ کر ہے اس لئے کہ وہ شرعاً مطلوب ہے اور قطعِ وساوس(۱) اس درجہ مطلوب نہیں۔

چوں طمع خواہد زمن سلطانِ دیں　　خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

''اگر شاہِ دین پناہ مجھ سے طمع کی خواہش کریں تو اس کے بعد قناعت پر مٹی ڈالوں''

افسوس ہے کہ بعض اکابر کو یہ دھوکا ہوگیا کہ اگر جماعت کی نماز میں وساوس آویں اور تنہائی میں اجتماعِ قلب ہو تو تنہا پڑھنا بہتر ہے جماعت کو چھوڑ دینا چاہئیے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اور اس کو ہم اپنی رائے سے غلط نہیں کہتے۔ نبی کریم ﷺ نے خود اس کی تغلیط فرمائی ہے ہم ان بزرگوں پر اعتراض نہیں کرتے ہم صرف ان کی غلطی کا اظہار کرتے ہیں غرض چونکہ شریعت میں اجتماعی مصالح کی زیادہ رعایت ہے اور ظاہر ہے کہ جو اجتماع عیدگاہ میں ہوگا مسجد میں نہ ہوگا لہذا گو کماً عیدگاہ کا ثواب زیادہ نہ ہو لیکن کیفاً زیادہ ہے۔

(۱) وسوسوں کا نہ آنا۔

اصلاحِ مفسدہ

اس لئے باوجود کسی مفسدہ کے اس میں جمع ہونے کو ترک نہ کریں گے بلکہ اس میں جو مفسدہ بچوں کے اجتماع کا ہے اس کی اصلاح کریں گے اور ہم خود کیا اصلاح کریں گے ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم خود اس کی اصلاح فرما گئے ہیں ارشاد ہے: (جَنِّبُوْا مَسَاجِدَ کُمْ صِبْیَانَکُمْ) ''کہ اپنی مسجدوں سے اپنے بچوں کو علیحدہ رکھو'' لیکن ممکن ہے کہ کوئی صاحب عیدگاہ کو مسجد میں داخل نہ کریں۔اس لئے استدلال مذکور کو کافی نہ سمجھیں تو ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ ''مَسَاجِدَ کُمْ'' میں دو احتمال ہیں یا تو اس کو عام لیا جاوے کہ مطلق مقام صلوٰۃ مراد ہو تب تو عیدگاہ کا اس حکم میں داخل ہونا ظاہری ہے اور اگر اس کو عام نہ لیا جاوے تو گو ان الفاظ میں عیدگاہ داخل نہ ہوگی لیکن یہ دیکھنا چاہئیے کہ آخر علّت اس حکم کی کیا ہے سو ظاہر ہے کہ علّت اس حکم کی یہی ہے کہ چونکہ بچے پاک صاف نہیں ہوتے ان کی آمد و رفت سے ایسی جگہ کے ملوّث ہونے کا اندیشہ ہے(۱) جہاں نماز ہوگی اور اس سے نماز میں خلل پڑے گا اور یہ علت جیسے کہ مسجد میں پائی جاتی ہے عیدگاہ میں بھی پائی جاتی ہے لہذا وہاں بھی یہ حکم جاری ہوگا چنانچہ خود عیدگاہ کے باب میں حضورؐ کا ارشاد ہے: ''وَلْیَعْتَزِلَنَّ الْحَیض ا لمصلّٰی''(۲) پس اس مثال سے سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ وہ کلیہ اس وقت ہے جب کہ وہ امر مطلوب نہ ہو ورنہ مفسدہ کی اصلاح کریں گے اور اس کام کو ترک نہ کریں گے یہ تو دعویٰ غلطی کی دلیل میں تھا۔

---

(۱) نجاست سے آلودہ ہونے کا خطرہ ہے (۲) حائضہ عورتیں عیدگاہ سے دور رہیں۔

بدعتِ خطبۃ الوداع

رہا دوسرا دعویٰ کہ خطبہ الوداع میں مصلحتیں بیان کرنا من وجہ خدا و رسول پر اعتراض ہے سو اس کا بیان یہ ہے کہ جب بعض بدعتیں بھی بوجہ مصالح مطلوب ہوئیں تو گویا اس شخص کے نزدیک کتاب وسنت کی تعلیم ناتمام ہوئی کہ بعض مصالح ضروریہ کی تعلیم میں فروگزاشت ہوگئی' کیا کوئی اس کا قائل ہوسکتا ہے؟ اور اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ہر بدعت کو ضلالت فرمایا ہے اور بعض بدعت کے حسنہ ہونے سے اگر شبہ ہو تو درحقیقت وہ بدعت ہی نہیں اور اس قسم کا احتمال خطبۃ الوداع میں نہیں ہوسکتا کیونکہ اگر یہ معنیٰ سنت ہوتا تو سلف میں اس کی نظیر ضرور ہوتی۔ پھر بعد عرق ریزی(۱) کے اگر کوئی دور کی نظیر نکال بھی لی جاوے تو دوسرے مانع کا کیا جواب ہوگا کہ عوام کے التزام سے بدعت ہوگیا اور بدعت بھی بدعت ضلالت جس پر حضورؐ نار کی وعید فرمارہے ہیں اور حضور کا ارشاد عین ارشادِ حق ہے تو ایسے امر کا التزام اور اس میں مصلحتیں نکالنا خدا و رسول پر اعتراض بھی ہے اور خدا و رسول سے مزاح بھی ہے۔

شرطِ اجتہاد

لیکن ہمارے اس قول سے کہ حضورؐ کا ارشاد ارشادِ خداوندی ہے' کوئی یہ نہ سمجھ جاوے کہ نبی کریم ﷺ اجتہاد نہ فرماتے تھے' حضور ﷺ اجتہاد ضرور فرماتے تھے لیکن آپ کا اجتہاد موقوف رہتا تھا اگر وحی میں اس پر نکیر نہ ہوئی تب تو وہ حجت رہتا تھا کیونکہ سکوت اس کی تقریر پر دلالت کرتا ہے ورنہ وحی سے اس کی اصلاح ہوجاتی تھی غرض ہر حال میں وہ اجتہاد بھی حکماً وحی ہوجاتا تھا لہذا باوجود اجتہاد کے بھی یہ کہنا صحیح ہے کہ ؎

(۱) تلاش بسیار کے بعد۔

گفتۂ او گفتہ اللہ بود　　گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

اہل علم کی ایسی ہی لغزشوں کی وجہ سے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا کہ بعضے لوگ بدعات میں مصالح بیان کرتے ہیں اور اس کی حقیقت کو نہیں سمجھتے یہ کہا جاتا ہے کہ تربیت وارشاد خصوص وحکمت فہمی اور اجتہاد ہر شخص کا کام نہیں ہے (۱) کہ جس کا جی چاہے چند اصطلاحات یاد کر کے مسند ارشاد پر متمکن (۲) ہو جاوے بلکہ یہ اس شخص کا کام ہے کہ ظاہری ضروری علم کے ساتھ مدد خداوندی بھی اس کے ساتھ ہو اور اس کی علامت یہ ہے کہ علماء امت نے اس کے اقوال کو قبول کر لیا ہو اور علماء کا گروہ اس کی طرف متوجہ ہو۔

دیہات میں جمعہ

چنانچہ اس قسم کی لغزش یہ ہے کہ بعضے لوگ جمعہ کی نسبت کہتے ہیں کہ دیہات میں گو نہ ہو لیکن اگر پڑھ ہی لیا جاوے تو نہ پڑھنے سے تو بہرصورت پڑھنا اچھا ہے، میں نے ایک شخص سے پوچھا کہ اسی طرح ایک شخص کہتا ہے کہ بمبئی میں گو حج نہیں ہوتا لیکن اگر پھر بھی کر لیا جاوے تو کیا حرج ہے نہ کرنے سے تو اچھا ہی ہے اس کا کیا جواب ہے آخر یہی کہو گے کہ بمبئی حج کا محل نہیں میں کہوں گا دیہات جمعہ کا محل نہیں، غرض فہم دین کے لئے عقلِ کامل کی ضرورت ہے اس میں ظاہر بینی (۳) اور بھولا بھالا ہونے سے کام نہیں چلتا اور یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء کامل العقل ہوئے ہیں کوئی نبی بھولا نہیں ہوا اکثر لوگ بزرگوں کی تعریف میں کہا کرتے ہیں کہ فلاں بزرگ بہت بھولے ہیں۔

(۱) شرعی احکام میں حکمتوں کو سمجھنا، اجتہاد کرنا اور لوگوں کی اصلاح کرنا ہر ایک کا کام نہیں (۲) پیر بن کر بیٹھ جائے (۳) ظاہری نظر۔

لیکن یاد رکھو بھولے ہونے سے اگرچہ بعض اوقات انسان بہت سی برائیوں سے بچ جاتا ہے اور اس لئے بھولا ہونا بھی گونہ فضیلت ہے لیکن فی نفسہٖ بھولا ہونا کوئی کمال نہیں ہے کیونکہ اس سے آدمی بہت سے فضائل سے محروم رہتا ہے۔ اسی لئے کوئی نبی بھولا نہیں ہوا تمام انبیاء کرام کامل العقل ہوئے ہیں اور واقع میں عقل ہے بھی بڑی نعمت۔

عزتِ عقل

ایک صوفی سے میرے سامنے ایک شخص نے سوال کیا کہ سالک کا مرتبہ بڑا ہے یا مجذوب کا؟ انہوں نے اس کا عجیب جواب دیا مجھے وہ جواب بہت ہی پسند آیا فرمانے لگے کہ اتنا تو ہم جانتے ہیں کہ عقل اتنی بڑی نعمت ہے کہ شریعت نے شراب کو حرام کر دیا جس سے وہ زائل ہوتی تھی اور ظاہر ہے کہ سالک کی عقل ٹھکانے رہتی ہے اور مجذوب عقل سے باہر ہوتا ہے اب تم خود سمجھ لو کہ سالک کا درجہ بڑا ہے یا مجذوب کا۔ شرح الصدور علامہ سیوطیؒ کی ایک کتاب ہے وہ اس میں ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عمرؓ سے دریافت فرمایا کہ اے عمر! اس وقت تمہاری کیا حالت ہوگی کہ جب تم قبر میں تن تنہا رکھے جاؤ گے اور دو نہایت عجیب الخلقت فرشتے تم سے آکر توحید و نبوت کے بارے میں سوال کریں گے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا اور کس قدر پیارا جواب عرض کیا' اور اگر وہ بھی جواب نہ دیتے تو کون دیتا۔ عرض کیا یارسول اللہ! یہ فرمایئے کہ اس وقت ہماری عقل رہے گی یا نہیں؟ حضورؐ نے فرمایا کہ ہاں عقل باقی رہے گی بلکہ عقل میں اور ترقی ہوجاوے گی' کیونکہ ہیولانی(۱) حجاب اس وقت باقی نہ رہیں گے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ

(۱) جسد خاکی کا حجاب اس وقت نہ رہے گا۔

یارسول اللہ! اگر عقل باقی رہے گی تو کوئی خوف کی بات نہیں انشاء اللہ تعالیٰ سب معاملہ درست ہوگا۔ دیکھئے یہ حضرات صحابہ عقل کی کس قدر عزت کرتے تھے اور اس کو کتنی بڑی نعمت سمجھتے تھے ایک ہم ہیں کہ ذہابِ عقل کو اماراتِ بزرگی (۱) سے سمجھتے ہیں۔

حکایت

ایک قصہ اس مقام پر یاد آیا گو میں نے کسی کتاب میں نہیں دیکھا اور اس لئے ممکن ہے کہ غلط ہو لیکن اس کے غلط ہونے سے ہمارا ضرر نہیں کیونکہ ہم تو اپنے مضمون کو حدیث سے مؤیّد کر چکے ہیں' وہ قصہ یہ ہے کہ حضرت رابعہؒ کو جس وقت دفن کر دیا گیا تو حسبِ قاعدہ فرشتوں نے آ کر سوال کیا' تو حضرت رابعہؒ نہایت اطمینان سے جواب دیتی ہیں کہ کیا اس خدا کو جس کو عمر بھر یاد رکھا گز بھر زمین کے نیچے آ کر بھول جاؤں گی تم اپنی خبر لو کہ بڑی مسافت طے کر کے آئے ہو تم کو بھی یاد ہے کہ نہیں؟ سبحان اللہ! ان حضرات کا بھی کیا اطمینان ہے اسی کو ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

گر نکیر آید و پرسد کہ بگورب تو کیست گویم آں کس کہ ربود ایں دل دیوانۂ ما (۲)

کیسے اطمینان سے فرماتے ہیں کہ میں تو یہ جواب دے دوں گا کہ ؎

ع آنکس کہ ربود ایں دیوانہ ما

تو سارا اطمینان بقاءِ عقل ہی کے ساتھ ہوسکتا ہے اس لئے اس صوفی نے یہ کہا کہ بھائی سالک کا رتبہ بڑا ہے کیونکہ اس کی عقل باقی رہتی ہے جس کی بدولت اس کو سینکڑوں مصیبتوں سے نجات ہو جاتی ہے۔

(۱) عقل کے چلے جانے کو بزرگی کی علامت سمجھتے ہیں (۲) اگر منکر نکیر نے آ کر سوال کیا کہ تیرا رب کون ہے؟ کہہ دونگا کہ وہی ہے جس کے عشق میں یہ دل دیوانہ ہوا ہے۔

صوفیہ کی دو اقسام

لیکن اب یہ سمجھنا چاہئیے کہ انبیاء تو سب کے سب کامل العقل ہوئے اور صوفیہ میں جو کہ انبیاء ہی کے نائب ہیں کچھ سالک یعنی کامل العقل اور کچھ مجذوب یعنی جن کی عقل غلبہ حالات سے مغلوب ہوگئی۔ ان میں دو قسمیں کیوں ہوئیں؟

سو اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام تو سب کے سب ارشاد و تربیت کی غرض سے بھیجے گئے تھے اس لئے ان کا کامل العقل ہونا ضروری تھا کیونکہ اس کے بغیر تربیت نہیں کر سکتے تھے اور اولیاء بعضے تو ارشادِ خلق کی غرض سے پیدا ہوتے ہیں ان کو تو سلوک کا مرتبہ عطا ہوتا ہے تاکہ بقاء عقل کے ساتھ تربیت کا کام انجام دے سکیں اور یہی لوگ ہیں جن کو ''وَرَثَةُ الْاَنْبِیَاءِ'' کہا جاتا ہے اور بعضے محض اپنے ہی کام کے لئے پیدا ہوتے ہیں ان کے متعلق تربیت نہیں ہوتی مجذوبین ان ہی میں ہوتے ہیں گو بعض غیر مجذوبین بھی ایسے ہوتے ہیں ان کی یہ شان ہوتی ہے کہ ؎

احمد تو عاشقی بہ مشیخت تراچہ کار　　دیوانہ باش سلسلہ شد شد نشد نشد

''اے احمد! تو عاشق ہے تجھے پیری سے کیا حاصل، دیوانے ہو کر مست رہو سلسلہ ہوا ہوا، نہ ہوا نہ ہوا''۔

بخلاف سالکین کے کہ ان کی حالت، ان کی حالت کے بالکل خلاف ہے ان کی یہ حالت ہے کہ ؎

خاص کند بندہ مصلحت عام را (۱)

---

(۱) اللہ نے ایک بندہ کا انتخاب کر لیا عوام کی مصلحت کے لئے۔

اہل اللہ کی برکات

ہاں مجذوبین سے بھی ایک قسم کا فیض ہوتا ہے جو بلا ان کے اختیار کے محض وجود باوجود(۱) کی بدولت ہے سو اس کے لئے بھی عقل کی ضرورت نہیں عقل کی ضرورت اس فیض کے لئے ہے جو بااختیار ہو غیر اختیاری فیض کی مثال آفتاب کا نور(۲) ہے کہ گو آفتاب قصد(۳) نہ کرے لیکن اس کا نور عالم کو پرنور ضرور کریگا' اسی طرح اللہ تعالیٰ کے نیک بندے جہاں کہیں ہوتے ہیں ان کی برکات عالم کو منور ضرور کرتی ہیں' اسی برکت کی نسبت ارشاد خداوندی ہے ﴿مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ﴾(۴)

بدکاروں کا وبال

جیسا کبھی اس کا عکس بھی ہوتا ہے کہ بدکاروں کی بدولت اچھے لوگ تباہ و ہلاک ہوجاتے ہیں لیکن یہ نہ سمجھنا چاہئیے کہ اس سے پہلا قاعدہ ٹوٹ گیا کیونکہ وہ اچھے لوگ جو کہ ان بدکاروں کی وجہ سے تباہ و برباد ہوئے یا تو وہ صورۃً اچھے ہوتے ہیں واقع میں اچھے ہی نہیں ہوتے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت جبرئیلؑ سے خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ فلاں شہر کو الٹ دو حضرت جبرئیلؑ نے عرض کیا اے اللہ تعالیٰ اس شہر میں فلاں شخص رہتا ہے جس نے کبھی آپ کی نافرمانی نہیں کی کیا اس کو بھی سب کے ساتھ الٹ دوں؟ ارشاد ہوا کہ گو ظاہراً اس نے نافرمانی نہیں کی مگر دوسروں کی نافرمانی دیکھ کر اس میں کبھی تغیّر پیدا نہیں ہوا لہذا اس کو بھی الٹ دو۔

---

(۱) ان کے بابرکت وجود کی وجہ سے (۲) غیر اختیاری فائدے کی مثال سورج کی روشنی ہے (۳) ارادہ نہ بھی کرے (۴) اس صورت میں کہ آپؐ ان میں موجود ہوں اللہ ان کو عذاب دینے والے نہیں' سورۃ: انفال ۳۳۔

دیکھئے یہ شخص ظاہری حالت میں ایسا بزرگ تھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھی دھوکہ ہوگیا لیکن واقع میں ایک بہت بڑے گناہ میں مبتلا تھا کہ اس کو خدا تعالیٰ اور اس کے احکام کے ساتھ محبت کا جوش ذرا نہیں تھا۔ ورنہ یہ ممکن نہیں کہ خدا و رسول کی محبت ہو اور ان کی مخالفت و نافرمانی دیکھ کر یا شریعت کا استخفاف سن کر اس کے دل میں مخالفین سے غیظ نہ پیدا ہو یا اس کو ان کی حرکات ناگوار نہ ہوں۔

حمیّتِ دینی

اگر کسی دین دار کو ایسے امور ناگوار ہوتے ہیں تو اس کو متعصّب اور بدمزاج کہا جاتا ہے اور یہ رائے دی جاتی ہے کہ صاحب نرمی سے جواب دینا چاہئیے تھا' مگر میں کہتا ہوں کہ کسی شخص سے یہ کہا جاوے کہ ہم نے تمہاری ماں کو بازار میں بیٹھے ہوئے اور بازاری عورتوں کی حرکات میں مبتلا پایا ہے تو کیا یہ شخص اپنی ماں کی نسبت ٹھنڈے دل سے یہ الفاظ سن لے گا اور کہنے والے پر حملہ کرنے کو آمادہ نہ ہوجاوے گا' کیا اس کے جوش کو تعصب کہا جاوے گا؟ اس کو بھی ایسی رائے دی جاوے گی مگر مولویوں پر الزام ہے کہ یہ بہت جلد خفا ہوجاتے ہیں اور ان کی ناک پر غصہ دھرا رہتا ہے یہ بڑے متعصب ہیں۔ لیکن صاحبو! ذرا غور کیجئے اور انصاف سے کام لیجئے کوئی مولوی بھی سیدھی بات پر خفا نہیں ہوتا نہ کسی مولوی کی ناک پر غصہ دھرا رہتا ہے اگر پوچھنے کی طرح ان سے پوچھا جاوے اور بات کرنے کی طرح ان سے بات کی جاوے تو کوئی وجہ نہیں کہ مولوی غصہ کریں اور خفا ہوں' ہاں جب ان کے ساتھ استہزاء(۱) اور خدا و رسول کے احکام پر اعتراض بطورِ عناد(۲) کیا جاتا ہے تو

(۱) مذاق کے طور پر (۲) دشمنی کے طور پر۔

ضرور وہ بیتاب ہوجاتے ہیں اور یہ غصہ یا بیتابی تعصب نہیں ہے یہ دین کی حمیّت ہے۔

صاحبو! کیا شریعت کے احکام کی وہ عظمت اور محبت بھی دل میں نہ ہونی چاہیے جو کہ اپنی ماں کی ہے کہ ماں کی نسبت ناگوار کلمات سن کر تو انسان قابو سے باہر ہوجائے اور اپنے آپے میں نہ رہے اور شریعت کی ہتک (۱) ہوتے ہوئے دیکھ کر اس کو غصہ بھی نہ آجاوے اور جن کو غصہ نہیں آتا وہ ناحقیقت شناس (۲) ہیں اس لئے ان کو غیرت نہیں آتی کچھ دنوں اس رنگ میں اپنے قلب کو رنگو اور پھر بھی اگر یہ حالت رہے تو جانیں۔

صاحبو! محض الفاظ کے سننے سے پوری طرح سمجھ میں نہیں آسکتا کہ یہ کیفیت کیونکر ہوجاتی ہے وجہ یہ ہے کہ اپنے اوپر یہ حالت گزری نہیں کسی نے خوب کہا ہے۔

پرسید یکے کہ عاشقی چیست گفتم کہ چوں ماشوی بدانی

''اس نے پوچھا عاشقی کیا ہے میں نے کہا میری طرح جب ہوجاؤ گے تو خود بخود جان لوگے''

میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تقلیداً ہی کہہ رہا ہوں لیکن خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ جن حضرات کی تقلید اختیار کی ہے ان کو سچا سمجھتا ہوں' صاحبو! ان حضرات کی غیرت کی یہ حالت تھی کہ خدا اور رسولؐ سے دور کرنے والی چیزوں کو گو (۳) وہ چیزیں ان کی کیسی مرغوب (۴) ومحبوب ہوں طاغوت (۵) سمجھتے ہیں۔

---

(۱) بے عزتی (۲) ان کو حقیقت کی خبر نہیں (۳) اگرچہ (۴) پسندیدہ (۵) شیطان۔

حضرت طلحہؓ کی غیرت

حضرت طلحہؓ کا واقعہ ہے کہ وہ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک پرندہ اس میں اُڑ کر آ گیا اور چونکہ باغ نہایت گنجان (۱) تھا باہر نکل جانے کے لئے اس کو کوئی راستہ نہ ملا پریشان اِدھر اُدھر اڑتا پھرنے لگا اس پرندہ کی یہ حالت دیکھ کر حضرت طلحہؓ کے دل میں باغ کے گنجان ہونے پر گونہ مسرت (۲) پیدا ہوئی اور یہ خیال ہوا کہ ماشاء اللہ میرا باغ کس قدر گنجان اور اس کے درخت ایک دوسرے سے کیسے پیوستہ (۳) ہیں کہ کسی پرندہ کو بھی بآسانی نکل جانے کی جگہ نہیں ملتی۔ یہ خیال آ تو گیا لیکن چونکہ دل میں عظمت و محبت خداوندی معراجِ کمال پر تھی نبی کریم ﷺ کی صحبتِ پُر برکت سے فیض یاب تھے اس لئے فوراً ہی متنبہ ہوئے اور دل میں سوچا کہ اے طلحہ! تیرے دل میں مال کی یہ محبت کہ حالتِ نماز میں تو ادھر متوجہ ہوا۔ آخر نماز کے بعد بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے باغ نے آج مجھے عین نماز کی حالت میں خدا سے غافل کر کے اپنی طرف متوجہ کر لیا لہذا اس کو میں اپنے پاس نہیں رکھنا چاہتا اور اس شغل عن الحق (۴) کے کفارہ میں، میں اس کو وقف کرتا ہوں، آخر اس کو وقف کر دیا، جب دل کو اطمینان ہوا، ان حضرات کی یہ شان ہے کہ ﴿اِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ﴾ (۵) کہ اگر شیطان کے وسوسہ سے کسی ضعیف درجہ میں بھی ان کے قلب کو میلان الی الدنیا ہو جاتا ہے تو فوراً متنبہ ہوتے ہیں اور ایسا قلق ہوتا ہے کہ گویا ہفت اقلیم کی سلطنت ان کے قبضہ سے نکل گئی بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ہفت اقلیم (۶) کی سلطنت نکل جانے سے بھی اتنا صدمہ نہیں ہوتا جو ان حضرات کے قلب پر اس میلان سے ہوتا ہے۔

(۱) گھنا (۲) کچھ خوشی کا احساس ہوا (۳) جڑے ہوئے (۴) اللہ سے توجہ ہٹنے کے کفارے کے طور پر (۵) سورۃ: اعراف ۲۰۱ (۶) ساتوں زمینوں کی بادشاہت۔

کسی نے خوب کہا ہے ؎

بہر چہ از دوست دامانی چہ کفر آن حرف چہ ایمان
بہر چہ از یار دور افتی چہ زشت آن نقش وچہ زیبا (۱)

خاصیتِ محبت و غیرت

شاید لوگوں کو یہ تعجب ہو کہ ذرا سا خیال آجانے سے ان کے دل پر ایسا صدمہ کیسے گزرا؟ تو سمجھ لینا چاہئیے کہ ان لوگوں کے نزدیک تمام دنیا بھی شغل بحق کے مقابلہ میں کوئی قیمت نہیں رکھتی ان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ؎

بردل سالک ہزاراں غم بود
گر زباغ دل خلالے کم بود

''اگر باغ دل میں سے ایک تنکا کم ہو تو سالک کے دل پر ہزاروں غم ہوتے ہیں''۔

ایک خلال اتنا قیمتی ہے کہ دنیا تمام اس پر فدا ہے اور دنیا تو کیا ان کو مطلوب ہوتی عالمِ آخرت کی طرف بھی ان حضرات کی توجہ صرف اس لئے ہے کہ وہ ان کے مطلوب یعنی رضائے حق کا محل ہے ورنہ ان کی یہ شان ہے کہ ؎

با تو دوزخ جنت است اے جانفزا بے تو جنت دوزخ است اے دلربا

''تیرے ساتھ دوزخ بھی جنت ہے اور تیرے بغیر جنت بھی دوزخ''

---

(۱) دوست کی طرف سے جو بھی حالت پیش آئے اس پر راضی رہو اس کی طرف سے جو بھی ملے اس کے اچھے برے کا خیال نہ کرو۔

اور مولانا یہ بھی فرماتے ہیں ؎

گفت معشوقے باعاشق کاے فتا تو بغربت دیدہ بس شہر ہا
پس کدامی شہر از انہا خوشتر ست گفت آں شہرے کہ دروئے دلبرست

''ایک عاشق نے ایک معشوق سے پوچھا تم نے بہت سے شہر دیکھے ہیں ان میں سب سے اچھا کون سا شہر ہے اس نے کہا جس میں محبوب بستا ہے وہ سب سے اچھا ہے''۔

جنگل میں اگر محبوب کا ساتھ ہوجاوے تو ہزار آبادی سے بڑھ کر ہے شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ یہ اقوال غلبہ حالات و ولولہ محبت کے ہیں کوئی واقعی تحقیق نہیں ہے تو یاد رکھو کہ اس کے بارے میں نص موجود ہے۔

صحابہ کی حضورؐ سے محبت

حدیث میں ایک صحابی حضرت ثوبانؓ کا واقعہ آیا ہے کہ وہ حضرت سرور کائنات ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ! اگر ہم جنت میں گئے بھی تو ہم کو وہ درجہ تو نصیب نہیں ہوسکتا جو درجہ آپ کا ہوگا اور جب ہم اس درجہ میں نہ پہنچ سکیں گے تو آپ کے دیدار سے محروم رہیں گے اور جب آپ کا دیدار نصیب نہ ہوگا تو ہم جنت کو لے کر کیا کریں گے' حضورؐ نے یہ سن کر سکوت(۱) فرمایا آخر وحی نازل ہوئی کہ ﴿مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ﴾ (۲) جب حضور ﷺ نے ان کی تسلی فرمائی یعنی یہ ضرورت نہیں کہ اس درجہ میں عارضی(۳) طور پر پہنچنے کے لئے اسی درجہ کے اعمال کی ضرورت ہو

(۱) خاموشی اختیار فرمائی (۲) جو اللہ اور رسول کا کہا مانے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ نے انعام کیا آیت: سورۃ: النساء ۶۹ (۳) اور عارضی طور پر اس لئے کہا کہ حضور ﷺ کے درجہ میں استقراراً مقاماً کون جاسکتا ہے البتہ زیارت کے لئے رسائی ہوا کرے گی جس طرح دنیا میں مسکن ہر ایک کا جدا ہوتا ہے لیکن ملاقات کے لئے دوسرا بھی آجاتا ہے۔

صرف اتباع اور محبت نبیؐ کافی ہے۔

فضل ربی

جیسے دربار شاہی میں خدمت گاہ (۱) محض تبعیت وخدمت شاہ کی وجہ سے دیگر رؤساء سے پہلے پہنچتا ہے اس لئے ''مع الذین'' فرمایا آگے ''ذلك الفضل'' میں تصریح بھی فرمادی ہے کہ اس کو اپنے اعمال کا اثر مت سمجھنا یہ محض فضل ہے اور واقع میں اگر غور کیا جاوے تو صاف معلوم ہوگا کہ ہمارا دین اور ایمان ہماری دنیا اور سب سامان ہماری نماز ہمارا روزہ ہمارا ثواب درجات جو کچھ بھی ہے سب حضور ﷺ کا ہی طفیل ہے چنانچہ ان آیات کے شان نزول کے انضمام (۲) سے صاف معلوم ہوتا ہے جن میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا﴾ (۳) اس کا یا تو یہ مطلب ہے کہ اس میں تمہارا کوئی کمال نہیں یہ محض فضلِ خداوندی ہے کہ تم کو ایک بہانہ محبت سے باریابی کی دولت نصیب ہوگئی اور یا مطلب ہے کہ ''ذٰلِكَ الْفَضْلُ'' سے بعض مغلوب الیاس (۴) لوگوں کی ناامیدی دور کرنا ہے کہ شاید کسی کو یہ خیال ہوجاوے کہ ہمارے ایسے نصیب کہاں کہ ہم اس درجہ تک پہنچ سکیں تو اس کی نسبت ارشاد ہوتا ہے کہ اگرچہ تم اس قابل نہیں لیکن یہ نعمت تمہارے اعمال کی جزا نہیں ہے کہ تم ان پر نظر کر کے اس نعمت سے مایوس ہوجاؤ' یہ تو محض خدا تعالیٰ کا فضل وجود ہے جس کے لئے تمہارے اعمال کامل ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ سبحان اللہ! قرآن پاک بھی کیا عجیب چیز ہے کہ دو متعارض شبہے' ایک عجب دوسرا یاس (۵) اور ایک جملہ میں دونوں کا جواب۔ خواہ یوں کہہ لو خواہ یوں کہہ لو ۔

(۱) نوکر' خادم (۲) شان نزول معلوم کرنے سے (۳) سورۃ: النساء ۷۰ (۴) ناامید لوگ (۵) خود پسندی اور مایوسی۔

بہار عالم حسنش دل و جان تازہ میدارد برنگ اصحاب صورت را بہ بو ارباب معنی را(۱)

ہر مذاق ہر طبیعت ہر رنگ کا علاج قرآن شریف میں موجود ہے، پس روایت ثوبانؓ سے بھی یہ بات بالکل صاف معلوم ہوگئی۔

باتو دوزخ جنت است اے جاں فزا بے تو جنت دوزخ است اے دل ربا(۲)

کیونکہ ان کے اس خیال پر انکار نہیں فرمایا گیا بلکہ تسلیم کر کے تسلی کی گئی غرض یہ مضمون بالکل سنت کے موافق ہے نرا نکتہ تصوف یا شاعرانہ نہیں۔

سو یہ ہے ان حضرات کی شان کہ دونوں عالم بھی ان کے نزدیک خدا تعالیٰ کی رضا یا نبی کریم ﷺ کی لقا(۳) کے برابر نہیں خوب کہا ہے۔

قیمت خود ہر دو عالم گفتۂ نرخ بالا کن ارزانی ہنوز(۴)

محبت اور غیرت کی تو خاصیت یہی ہے کہ جب یہ بڑھ جاتی ہے تو سب کچھ چھوٹ جاتا ہے حضرت ابراہیم بن ادہمؒ نے غیرت ہی میں سلطنت چھوڑ دی تھی اور وجہ اس کی یہ ہوتی ہے کہ ایک حالت میں دو طرف توجہ کرنی پڑتی ہے اور یہ ممکن نہیں اس واسطے مجبوراً ایک طرف کی توجہ کو ترک کر دینا پڑے گا۔ اب رہی یہ بات کہ کس جانب کو ترک کیا جاوے تو ظاہر ہے کہ توجہ الی اللہ کی دولت تو قابلِ ترک نہیں لہذا دنیا ہی پر لات مار دیتے ہیں۔ خوب کہا ہے۔

بفراغ دل زمانے نظرے بماہ روئے بہ ازانکہ چتر شاہی ہمہ روزہائے ہوئے(۵)

---

(۱) تیرے حسن کی بہار سے ہر ایک دل و جان کو تازگی ملتی ہے صورت کے دلدادہ اس کے ظاہر سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور حقیقت کے متلاشی اس کے معانی سے (۲) تیرے ساتھ ہونے کی وجہ سے دوزخ بھی جنت ہے تیرے بغیر جنت بھی دوزخ ہے (۳) ملاقات (۴) اے محبوب تو نے اپنی قیمت دونوں عالموں کو بتایا ہے یہ تو کچھ بھی نہیں تو اپنی قیمت ابھی اور بڑھا (۵) ایک دن جو فراغ دل کے ساتھ محبوبِ حقیقی (یعنی اللہ) کی طرف نظر کی تو معلوم ہوا کہ شاہی ٹھاٹ باٹ اس کے سامنے کچھ بھی نہیں۔

حضرت ابراہیم بن ادہمؒ نے اسی کی تحصیل کے لئے سلطنت پر لات ماردی۔

شبہ کا جواب

لیکن انبیاء علیہم السلام پر یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ جب دو طرف کامل توجہ نہیں ہوسکتی اور یہ حضرات علی سبیل الیقین جیسا کہ حکمتِ بعثت شاہد ہے کہ متوجہ الی الخلائق (۱) تھے اور جب متوجہ الی الخلق (۲) تھے تو توجہ الی اللہ یقیناً کم ہوگی اور جب یہ کم ہوگی تو نقص ہوگا اور نقص اس لئے منافی نبوت ہے کہ مرتبۂ نبوت مراتبِ کمال کے اعلیٰ پایہ (۳) کا نام ہے کہ بشر کو اس سے بڑھ کر مرتبہ عطا ہو ہی نہیں سکتا۔ پس اگر ان کو بھی مانا جاوے اور اس کی وجہ سے کامل فرض کیا جاوے تو کیا وجہ کہ ان میں انقطاع عن الخلق (۴) جو لازمہ کمال ہے نہیں پایا جاتا۔

وجہ اس شبہ کی گنجائش نہ ہونے کی یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی جو توجہ الی الخلق ہوتی ہے وہ چونکہ بامر خداوندی (۵) ہے لہذا اس امتثال (۶) کی وجہ سے اس توجہ الی الخلق میں خود توجہ الی اللہ موجود (۷) ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام امت کی طرف جو متوجہ ہوتے اور ان کو پیغام حق پہنچاتے ہیں سو اسی لئے کہ اس توجہ اور تبلیغ کا انکو حکم ہے اور اس کا امتثال ان پر واجب ہے حضرات انبیاء کی اس توجہ الی الخلق کے ساتھ توجہ الی اللہ کی مثال یہ ہے کہ اگر تم کسی آئینہ کی طرف اس لئے متوجہ ہو کہ اس میں تمہارے محبوب کا عکس نظر آرہا ہے جبکہ کسی وجہ سے خود اس کے عین (۸) کو نہ

---

(۱) یقیناً مخلوق کی طرف متوجہ تھے (۲) مخلوق کی طرف متوجہ (۳) اعلیٰ درجہ (۴) مخلوق سے توجہ کا ہٹنا جو درجہ کمال کے حاصل ہونے کے لئے لازمی ہے نہیں پایا جاتا (۵) اللہ کے حکم سے (۶) حکم کی بجا آوری (۷) اس مخلوق کی طرف توجہ میں اللہ کی طرف توجہ بھی ہے (۸) اس کی ذات۔

دیکھ سکو تو گو ظاہراً تمہاری توجہ آئینہ کی طرف ہے لیکن عین یہ توجہ عین محبوب (۱) کی طرف توجہ ہے اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے لئے تمام خلائق مرات (۲) ہیں جس کی طرف متوجہ ہونے سے مقصود ان کا توجہ الی الحق ہے پس ان کے لئے توجہ الی الحق سے مانع نہیں (۳) غرض محبانِ حق غیر حق کی طرف متوجہ ہونے سے غیرت کرتے ہیں اور اسی صفتِ غیرت سے ان میں جوشِ دین پیدا ہوتا ہے جس کو لوگ تعصب کا غصہ سمجھتے ہیں اور وہ ایسا مطلوب ہے جس کے نہ ہونے سے وہ شخص الٹ دیا (۴) گیا پس یہ شخص ظاہر میں نیک تھا اور واقع میں نیک نہ تھا پس وہ قاعدہ نہ ٹوٹا یا اگر وہ واقع میں بھی نیک ہوں تو وہ صورتاً ہلاک ہوتا ہے۔

مسندِ ارشاد پر کامل العقل فائز ہوتے ہیں

بہرحال یہ بات ثابت رہی کہ نیکیوں کی بعض برکات اضطراری بھی ہوتی ہیں جس میں قصدِ اختیار کی ضرورت نہیں لیکن جو برکت اختیاری ہوگی اس کے لئے عقلِ کامل وافر کی احتیاج ہے سو ایسے ہی لوگ جو کامل العقل ہیں اہل ارشاد ہوئے ہیں اور بعض اولیاء اللہ جن سے کوئی تربیت عام کام متعلق نہیں ہوتا ایسے لوگ البتہ بھولے بھالے ہوتے ہیں کیونکہ ان کے سپرد صرف اپنی ذات کا معاملہ ہے اور اس میں وہ اسی قدر کے مکلّف ہیں جس قدر ان کو عقل دی گئی ہے کسی دوسرے شخص کی تربیت ان کے متعلق نہیں سو حاصل یہ ہوا کہ جن لوگوں کے متعلق تربیت عام ہے

---

(۱) اس صورت میں تمہارا آئینہ کی طرف متوجہ ہونا محبوب کی ہی طرف توجہ ہے (۲) آئینہ (۳) اور یہ شبہ کہ دونوں کے اجتماع میں کس کا اثر ظاہر ہوگا اسکا جواب یہ ہے کہ غالب یا کثیر کا اول جیسا ﴿ماکان اللّٰہ لیعذبھم وانت فیھم﴾ اور ثانی جیسا کہ حدیث میں ہے قلنا یا رسول اللّٰہ انھلك و فینا الصالحون قال نعم اذا کثر الخبیث ۱۲ منہ (۴) جس کا قصہ گذشتہ صفحات میں ذکر کیا گیا ہے۔

جیسے انبیاء امت جو مسند ارشاد پر متمکن ہیں ایسے لوگ بھولے بھالے نہیں یہ لوگ بڑے فطین پورے عاقل ہوتے ہیں اور یہی کامل ہیں اور جن لوگوں کے متعلق کسی دوسرے کی تربیت نہیں ہوتی بلکہ محض اپنے ہی نفس کے لئے پیدا ہوتے ہیں یہ لوگ البتہ بھولے بھالے ہوتے ہیں۔

اقسامِ انسان

اس لئے بعض نے یہ تقسیم کی ہے کہ انسان چار قسم کے ہیں: ایک وہ جن کو دین کی عقل بھی ہے اور دنیا کی بھی جیسے انبیاء اور ورثۃ الانبیاء یعنی وہ علماء جو مسند ارشاد پر متمکن ہیں۔ دوسرے وہ جن کو دین کی عقل ہے اور دنیا کی نہیں؛ جیسے بھولے بھالے صلحاء واولیاء امت۔ تیسرے وہ جن کو دین کی عقل نہیں ہے اور دنیا کی عقل ہے جیسے عاقل کفار۔ چوتھے وہ جن کو نہ دنیا کی عقل نہ دین کی عقل جیسے بیوقوف کفار۔

غرض انبیاء اور علماء محققین کامل العقل ہوتے ہیں گو تجربہ میں اس لئے کمی ہو کہ وہ دنیاوی امور میں منہمک نہیں ہیں۔

عقل اور تجربہ میں فرق

بعض لوگوں نے اس میں عجب خلط کر دیا ہے کہ عقل اور تجربہ کو ایک چیز سمجھتے ہیں ان میں فرق نہیں کرتے اور چونکہ علماء کو تجربہ کار نہیں پاتے اس لئے علماء کو کم عقل اور بے وقوف کہتے ہیں حالانکہ تجربہ دوسری چیز ہے اور عقل دوسری چیز ہے تجربہ تکرارِ مشاہدۂ جزئیات کا نام ہے مثلاً سقمونیا(۱) کو دس مرتبہ آزمایا گیا اس نے اسہال(۲) کا فائدہ دیا تو اس تکرارِ مشاہدہ سے کہیں گے کہ سقمونیا مسہل (۳) ہے اور

(۱) ایک دست آور دواء کا نام ہے (۲) دست (۳) دست آور۔

عقل ایک قوت جو خدا تعالیٰ نے انسان میں ودیعت کی ہے جس سے کلیات کا ادراک کرتا ہے۔

مولوی صاحب کی ذہانت

مولوی محمد حسین عظیم آبادی سے جو کہ میرے ایک دوست تھے ان کے طالب علمی کے زمانہ میں ایک کالج کے طالب علم نے سوال کیا کہ آسمان پر کل کس قدر ستارے ہیں؟ انہوں نے فرمایا مرصودہ تو معلوم ہیں مگر غیر مرصودہ معلوم نہیں' اس طالب علم نے کہا کہ مولوی صاحب تعجب ہے کہ سائنس کا اتنا ضروری مسئلہ اور آپ کو اس کی اطلاع نہیں' مولوی صاحب نے فرمایا کہ اچھا بتلایئے سمندر میں کس قدر مچھلیاں ہیں؟ اس طالب علم نے کہا مجھے تو علم نہیں' تو مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ افسوس ہے آپ اس قدر سائنس کے دل دادہ ہیں اور آپ کو زمین کی چیزوں کی بھی اطلاع نہیں' پھر جب آپ کو ہنوز زمین کی بھی پوری اطلاع نہیں ہے تو مجھ کو آسمان کے ستاروں کی اطلاع نہ ہونا کیا تعجب ہے' یہ جواب سنکر ان طالب علم صاحب کی آنکھ کھلی اور ہوش آیا۔

اس طرح لوگ صناع (۱) قوموں کو کہتے ہیں کہ یہ بڑے عاقل ہیں حالانکہ وہ صرف ایک صنعت کے تجربہ کار ہیں لہذا ان کو صناع کہنا چاہئیے نہ کہ عاقلِ صناعی (۲) دوسری چیز ہے عاقل ہونا دوسری بات ہے اگر ہم ایک بڑے فلسفی مثلاً افلاطون کو ایک جُلا ہے کے گھر لیجاویں اور اس کی کارگہہ میں بٹھلادیں اور کہیں کہ ایک مہین تن زیب (۳) بُنو تو یقیناً وہ اس پر قادر نہ ہوگا اور جُلا ہا عمدہ سے عمدہ بُن دے گا۔

اس فرق کی وجہ سے یہ کہہ دیں گے کہ یہ جُلا ہا اس فلسفی سے زیادہ عاقل ہے ہرگز نہیں ہاں یہ کہیں گے کہ یہ فلسفی اس صفت کو اس قدر نہیں جانا جس قدر یہ

(۱) جن قوموں نے کچھ چیزیں ایجاد کرلی ہیں (۲) کاری گری (۳) باریک کپڑا۔

جُلا ہا جانتا ہے۔ پس علماء محققین خواہ تجربہ کار نہ ہوں مگر کامل العقل ہوتے ہیں اور یہی ورثۃ الانبیـــاء ہیں انہی کے متعلق ارشاد وتربیت کا کام ہوتا ہے پس ان کے ساتھ احکام وحکم دینیہ میں کسی کو حق مزاحمت نہیں ہے جیسا کہ اس قاعدہ شرعیہ کو (کہ مفسدہ کی وجہ سے مصلحت غیر ضروریہ کو چھوڑ دیتے ہیں) نہ سمجھنے سے بعض کو غلطی ہوگئی کہ وہ علماء سے مزاحمت کرنے لگے غرض جو چیز مطلوب نہ ہو اور اس کے ارتکاب میں مفسدہ بھی ہو تو اس کو رد کردیں گے۔ جب یہ قاعدہ کلیہ معلوم ہوگیا تو اب سمجھنا چاہئیے کہ الوداع کا خطبہ کسی دلیل سے شرعاً مطلوب نہیں ہے اور اس کے پڑھنے میں بہت سے مفاسد ہیں لہذا اس کو ضرور ترک کیا جاوے گا۔

استغناءِ اسلاف

رہی یہ بات کہ لوگ اس بہانہ سے آجاتے ہیں اگر یہ نہ ہوگا تو لوگ نماز میں آنا چھوڑ دیں گے سو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جو لوگ خدا کے لئے نماز پڑھتے ہیں وہ تو ہر حالت میں آویں گے خطبہ وداع پڑھا جاوے یا کوئی دوسرا خطبہ اور جو لوگ محض پابندی رسم کے لئے آتے ہیں وہ اگر اس کے ترک سے آنا چھوڑ بھی دیں تو ان کے باطل خیال سے ہم ایک مقدمۂ قبائح(۱) کے کیوں مرتکب ہوں خواہ وہ آویں یا نہ آویں ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ اگر نکاح بیوگان کا ذکر نہ کرو تو میں وعظ میں آؤں میں نے کہا میں تو آج ضرور بیان کرونگا تمہارا جی چاہے آؤ نہ جی چاہے نہ آؤ دین کسی کے آنے کا محتاج نہیں ۔

زعشق ناتمام ماجمالِ یار مستغنی ست

باب ورنگ وخال وخط چہ حاجت روئے زیبارا(۲)

---

(۱) برائیوں کے مجموعے کا کیوں ارتکاب کریں (۲) میرے محبوب کا حسن وجمال عشق ناتمام سے بے نیاز ہے اس کے رخ زیبا کو مصنوعی میک اپ کی ضرورت نہیں ہے۔

جس کا حسن ذاتی حسن ہے اس کو تکلفات کی اور کسی کے دیکھنے نہ دیکھنے کی کیا پرواہ ہے خواہ کوئی دیکھے یا نہ دیکھے وہ بالکل مستغنی ہے اسی طرح ہم کسی کے آنے نہ آنے کی پرواہ نہ کریں گے اور شرع کو محض اس مصلحت سے نہ چھوڑیں گے ہمارے اکابر سلف کا اس استغناء مذکور پر پورا عمل تھا۔

حضرت عمرؓ کا عدل

حضرت عمر بن الخطابؓ کے زمانہ خلافت میں جبلہ ابن ایہم غسانی جو کہ ملوک غسان میں سے تھا مسلمان ہوا' موسم حج میں خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا ایک دوسرا غریب آدمی بھی ساتھ ساتھ طواف کرتا تھا اتفاق سے اس غریب آدمی کے پاؤں تلے اس کی ازار کا کنارہ دب گیا جبلہ جب آگے بڑھا تو اس کی لنگی کھل گئی اور برہنہ (۱) رہ گیا چونکہ وہ اپنے کو بہت بڑا آدمی سمجھتا تھا اور یہ دوسرا شخص نہایت غریب آدمی تھا لہذا اس کو بہت غصہ آیا اور اس نے ایک طمانچہ (۲) اس زور سے مارا کہ اس بیچارے کا دانت ٹوٹ گیا وہ شخص اس حالت کو لئے ہوئے حضرت عمرؓ کی خدمت میں پہنچا اور عرض کیا کہ امیر المومنین! جبلہ نے میرا دانت توڑ دیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جبلہ کو ہمارے پاس بلالاؤ۔ صاحبو! غور کیجئے یہ امتحان کا مقام ہے کہ ایک بادشاہ کو ایک غریب آدمی کے معاملہ میں پکڑ کر بلایا جاتا ہے چنانچہ جبلہ کو لایا گیا۔ حضرت عمرؓ نے واقعہ دریافت فرما کر اس غریب شخص کو اجازت دی کہ جبلہ سے اپنا بدلہ لے لے۔ جبلہ نے جب یہ سنا تو طیش میں آکر کہا کہ امیر المومنین مجھ کو اور ایک معمولی بازاری غریب آدمی کو کس چیز نے برابر کر دیا؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اسلام نے اور اس میں امیر غریب سب برابر ہیں تم نے اس کا دانت توڑا تمہارا دانت ضرور توڑا جاوے گا۔

(۱) ننگا (۲) تھپڑ۔

اخوتِ اسلامی

دیکھئے یہ ہے اخوت اسلامی ایک آج وقت ہے کہ امراء و روساء کا عالم ہی اس عالم سے جدا اور نرالا ہے غرباء کو وہ گویا انسانیت ہی سے خارج سمجھتے ہیں لیکن اس گئے گزرے وقت میں اگر اس کا کچھ اثر باقی ہے تو اللہ والوں میں ہے۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ان کے ہاں ایک بڑے عہدہ دار کوئی شخص مہمان آئے جب کھانے کا وقت ہوا حضرت نے اپنے ساتھ ان کو بٹھلایا کیونکہ وہ بڑے آدمی سمجھے جاتے تھے ان کو ساتھ بیٹھا دیکھ کر دوسرے غریب طلبہ مہمان پیچھے کو ہٹے حضرت مولاناؒ نے فرمایا کہ صاحبو آپ لوگ کیوں ہٹ گئے کیا اس وجہ سے کہ ایک عہدہ دار میرے سامنے بیٹھا ہے خوب سمجھ لیجئے کہ آپ لوگ میرے عزیز ہیں میں جس قدر آپ کو معزز سمجھتا ہوں اس کے سامنے ان کی کچھ بھی وقعت نہیں چنانچہ سب غریب طلبہ کو بھی ساتھ بٹھلا کر کھلایا شاید اس سے کسی کو یہ شبہ ہو کہ مولاناؒ نے اپنی شان جتلانے کو ایسا کہہ دیا ہوگا خوب سمجھ لینا چاہئے کہ وہاں شان اور بڑائی کا نام بھی نہ تھا۔

مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کی عاجزی

جن صاحبوں نے مولاناؒ کو دیکھا ہے وہ تو خوب جانتے ہیں مگر جن لوگوں نے نہیں دیکھا ہے ان کے لئے ایک قصہ بیان کرتا ہوں اس سے اندازہ ہوگا کہ وہاں شان اور بڑائی کتنی تھی ایک مرتبہ حضرت مولاناؒ حدیث شریف کا درس دے رہے تھے۔ ابر (۱) ہو رہا تھا کہ اچانک بوندیں پڑنا شروع ہوگئیں جس قدر طالب علم شریک درس تھے سب کتاب کی حفاظت کے لئے کتابیں اٹھا کر بھاگے اور سہ دری

(۱) بادل چھائے ہوئے تھے۔

میں پناہ لی اور کتابیں رکھ کر جوتے اٹھانے چلے صحن کی طرف جو رخ کیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت مولاناؒ سب کے جوتے سمیٹ کر جمع کر رہے ہیں۔ اس واقعہ سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ وہاں کس قدر شان کو جتلایا جاتا تھا۔ شان نہ تھی بلکہ محض محبتِ دینی تھی، غرباء کو امراء سے کچھ کم نہیں سمجھا۔ یہی لوگ ہیں جن کی بدولت دنیا کا کارخانہ قائم اور نظامِ عالم مسلسل ہے جس دن یہ حضرات نہ رہیں گے قیامت قائم ہوجاوے گی۔

جبلہ کا امتحان

غرض یہ تو حضرت عمرؓ کا امتحان تھا جس میں وہ پورے اترے، آگے جبلہ کا امتحان ہے دیکھیں کیا سمجھ کر ایمان لایا ہے آیا کوئی دنیاوی غرض عزوجاہ کی ہے کہ مسلمان ذی عزت ہوتے چلے جارہے ہیں ان کے ہمرنگ ہوجاویں گے تو ہم کو بھی عزت نصیب ہوگی یا یہ کہ محض طلبِ آخرت کے لئے ایمان لایا ہے چنانچہ بعض لوگ بزرگوں سے بھی اس لئے ملتے ہیں لوگ ان کی عزت کرتے ہیں ان کو بڑا سمجھتے ہیں اگر ہم ان کے ساتھ رہیں گے ہماری بھی عزت ہوگی اکثر چھانٹ چھانٹ کر ایسے ہی بزرگوں سے بیعت ہوتے ہیں کسی جُلا ہے، تیلی کے گووہ کیسا ہی بزرگ اور نیک ہو مرید نہیں ہوتے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم لوگ محض مدعی ہیں۔ بس ان کو نہ طلبِ صادق ہے نہ محبت واقعی، جہاں اپنی دنیاوی غرض پوری ہوتے دیکھتے ہیں چارآنے بڑھادیتے ہیں یہ نہوتو یہ بھی نہیں۔ ایسے ہی لوگ ہیں جو کہ امتحان کے وقت ادھورے اترتے ہیں" عِنْدَالْاِمْتِحَانِ یُکْرَمُ الرَّجُلُ اَوْ یُہَانُ" (۱) اور یہاں خوب کہا ہے ؎

(۱) بادل آئے ہوئے تھے (۱) امتحان ہی کے وقت انسان ذلیل ہوتا ہے یا باعزت۔

صوفی نہ شود صافی تادرنکشد جامے بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

''صوفی صاف نہیں ہوتا جب تک جامِ حقیقت نہ پئے خام کو پختہ ہونے میں کافی دیر لگتی ہے''

چنانچہ جبلہ کا امتحان ہوا اور وہ اس میں ناکام ثابت ہوا یعنی اس نے کہا اچھا مجھے ایک دن کی مہلت ہوسکتی ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا ہوسکتی ہے اگر یہ شخص مہلت دے صاحبِ حق سے پوچھا گیا وہ بیچارہ اس قدر نیک دل تھا کہ اس نے اجازت دیدی جبلہ موقع پاکر رات کو اٹھ بھاگا اور رومیوں سے جاملا اور بدستور سابق نصرانی ہوگیا دیکھئے اس کو طلبِ صادق اور محبتِ واقعی دین سے نہ تھی کہ ذرا وہمی ذلت کے خوف سے دین چھوڑ دیا جس کا نتیجہ ابدالآباد کی ذلت ہے۔ ادھر حضرت عمرؓ کو دیکھئے کہ ذرا پرواہ نہیں کی کہ یہ امیر ہے دوسرا غریب' ادھر اس کو دیکھئے کہ ذراسی تکلیف نفس پر گوارا نہ کرسکا ایسے بہت لوگ ہیں کہ وہ اتباعِ شریعت محض نفع دنیاوی کے لئے کرتے ہیں لیکن جو خدا کے مخلص بندے ہیں ان کی یہ حالت ہے کہ ان پر کچھ بھی گزر جاوے مگر ان کو حق کے مقابلہ میں سب ہیچ(۱) معلوم ہوتا ہے۔

کشند از برائے دلے بارہا
خورند از برائے گلے خار ہا

''ایک دل کی خاطر سو بار (۲) اٹھاتے ہیں اور ایک پھول کی خاطر سو کانٹے کھاتے ہیں''

(۱) سب حقیر معلوم ہوتا ہے (۲) بوجھ۔

طلبِ صادق

اور پھر چاہے طلب اور جستجو میں عمر بھی ختم ہو جاوے مگر گھبراتے اکتاتے نہیں کیونکہ ان کی طلب' صادق طلب ہوتی ہے اور ان کو معلوم ہوتا ہے کہ محبوب اور مطلوب کون ہے وہ زبان حال سے یوں کہتے ہیں ؎

طلب گار باید صبور و حمول کہ نشنیدہ کیمیا گر ملول

یعنی فن کیمیا کا طالب اکثر ساری عمر طلب میں برباد کر دیتا ہے اور ہمیشہ ایک تاؤ(۱) کی کسر میں رہتا ہے لیکن آپ نے کسی طالب کیمیا کو نہ دیکھا ہوگا کہ وہ ناکامی سے گھبرا کر اکتا گیا ہو اور کیمیا کی فکر چھوڑ دی ہو تو کیا خدا کا طالب کیمیا کے برابر بھی نہ ہو؟ خوب سمجھ لو! کہ جو اکتا گیا وہ طالب نہیں' صورتِ طلب کو طلب نہیں کہتے جیسے صورتِ آدمی کو آدمی نہیں کہتے۔ خوب کہا ہے ؎

ایں کے مے بینی خلاف آدم اند نیستند آدم غلاف آدم اند(۲)

پس جو لوگ الوداع کے خطبہ کے نہ ہونے سے نہ آویں ان کے نہ آنے کی کچھ بھی پرواہ نہ کی جاوے گی اور ایسے وہمی مصالح سے اس قسم کی بدعات کی اجازت نہ دیجاوے گی البتہ اس سے زیادہ آخری شعبان کا خطبہ بیشک مسنون ہے چنانچہ حضور ﷺ نے ایسا خطبہ پڑھا جس کا یہ ایک ٹکڑا ہے جس کے متعلق یہ بحث خطبہ الوداع کی بطور جملہ معترضہ کے بیان کی گئی۔

---

(۱) یہ کہتا ہے کہ بس ایک آنچ کی کسر رہ گئی ورنہ سونا بن ہی جاتا (۲) یہ جس کو میں دیکھ رہا ہوں آدمیت سے گرا ہوا ہے یہ آدمی نہیں بلکہ اسکا غلاف ہے۔

عنایتِ توفیق

اب اصل مقصود مذکور ہوتا ہے۔ حضور ﷺ اس مہینہ کے برکات و آثار کے باب میں ارشاد فرماتے ہیں: (هوشهر اوله رحمة واوسطه مغفرة واخره عتق من النيران) ترجمہ یہ ہے کہ ''ماہِ رمضان ایسا مہینہ ہے کہ اس کا اول حصہ رحمت ہے اور درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ آگ سے آزادی ہے'' میں نے کہا تھا کہ اس حدیث کو دو باتوں کے بیان کے لئے پڑھا ہے مگر اول اس حدیث کی شرح کردوں تو پھر ان کو بیان کروں' تو سمجھنا چاہئیے کہ یہ جو فرمایا گیا کہ اس کا اول حصہ رحمت ہے تو وجہ اس کی یہ ہے کہ رحمت ایک لطف ہے چونکہ ابتداء حصہ میں خداوند تعالیٰ کی طرف سے عمل کرنے کی توفیق عطا ہوتی ہے کہ بدون اس توفیق کے کوئی عمل بھی نہیں ہوسکتا اس لئے ''اوله رحمة ''فرمایا گیا اور یہیں سے یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ بعض لوگوں کو جو اپنے تھوڑے سے عمل پر ناز ہوجاتا ہے کہ ہم بہت کچھ کرتے ہیں یہ کوتاہی نظر کی دلیل ہے۔ انسان کوئی کام نہیں کرسکتا جب تک ادھر سے امداد و توفیق نہ ہو۔ خوب کہا ہے ؎

بے عنایات حق و خاصانِ حق گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

''اللہ کی اور خاصانِ خدا کی عنایت کے بغیر فرشتے بھی ہوں تو ان کا ورقِ زندگی سیاہ ہے''۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں ؎

ایں ہمہ گفتیم ولیک اندر بے عنایات خدا ہیچم وہیچ

''کہ گو ہم نے سب کچھ بتلایا لیکن عنایاتِ خداوندی نہ ہو تو ہم کچھ بھی نہیں'' پس خدا کی عنایت سے توفیق ہوتی ہے اپنا کوئی کمال نہ سمجھے جب تک کہ دل

میں کوئی بات نہیں ہوتی آدمی کچھ بھی نہیں کرسکتا اور یہ خدا کے اختیار میں ہے۔

من چو قلم درمیانِ اصبعین (۱)

آخر کیا سبب تھا کہ ابوجہل جو کہ نہایت سمجھ دار سمجھا جاتا اور حضور ﷺ کا رشتہ میں چچا ہوتا تھا' تیرہ برس تک حضور ﷺ نے اس کو دعوتِ ایمان فرمائی لیکن اس کو کلمہ پڑھنا نصیب نہ ہوسکا۔ اور حضرت بلالؓ جو کہ حبشہ کے رہنے والے تھے نہ کچھ بڑے زیرک سمجھے جاتے تھے نہ پہلے سے حضورؐ کی صحبت میسر ہوئی تھی کیونکہ مکہ میں آکر ایک کافر کے پھندے میں پھنس گئے کہ آزادی بھی نصیب نہ تھی جس سے تحقیقات کا ہی موقع ملتا پھر تکالیف کا یہ عالم کہ پتھر تپتا ہوا سینہ پر رکھدیا جاتا تھا لیکن باوجود اس کے آپ کی زبان سے ''اَحَدٌ اَحَدٌ'' ہی نکلتا تھا۔ بس وجہ یہی تھی کہ ابوجہل کو توفیق نہیں دی گئی اور ان کو توفیق دی گئی۔

حسن زبصرہ بلال از حبش صہیب از روم زخاک مکہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبی ست (۲)

جذب ہی سے کام بنتا ہے

حقیقت میں جب تک ادھر سے جذب اور مدد نہ ہو کچھ نہیں ہوسکتا تو یہ کہنا کہ انا کذا و انا کذا (۳) محض جہل ہے ایک بزرگ کی حکایت لکھی ہے کہ وہ چلے جارہے تھے شاہی محل کے نیچے سے گزر ہوا بادشاہ نے ان کو اپنے پاس ملنے کے لئے بلایا انہوں نے کہا کہ کیوں کر آؤں کہ دروازہ بڑی دور پھر وہاں پہرہ چوکی' بادشاہ نے کمند لٹکادی یہ اس کے سہارے سے اوپر پہنچ گئے جب یہ وہاں پہنچے تو

(۱) میں تو اللہ کے قبضہ میں ایسے ہوں جیسے دو انگلیوں کے درمیان قلم ہوتا ہے (۲) اللہ کی عجیب شان ہے کہ بصرہ کے سرزمین میں حسن بصری ہوئے حبشہ میں بلال حبشی روم میں صہیب رومی اور مکہ معظمہ جیسی مبارک سرزمین میں ابوجہل کو پیدا کیا (۳) میں ایسا ہوں ویسا ہوں کہنا فقط جہالت ہے۔

بادشاہ نے ان سے گفتگو شروع کی' اثناء گفتگو میں بادشاہ نے پوچھا کہ آپ خدائے تعالیٰ تک کیونکر پہنچے؟ انہوں نے کہا کہ جس طرح آپ تک پہنچا یعنی جس طرح تم نے وہ کمند ڈال دی اور اس کے ذریعے مجھے کھینچ لیا اس طرح خدا تعالیٰ نے بھی جذب کی کمند ڈال کر مجھے کھینچ لیا خوب کہا ہے ؎

نگردد قطع ہرگز جادۂ عشق از دویدنہا کہ می بالد بخود ایں راہ چوں تاک از بریدنہا(۱)

یہ تو اپنے عمل کے بارے میں ہے اور ایک دوسرے شخص نے جذب کے بارے میں کہا ہے' لیکن یہ مضمون محبوب مجازی کے باب میں ہے اس لئے الفاظ اچھے نہیں ؎

خود بہ خود آں بت عیار بہ بر می آید نہ بزور و نہ بزاری نہ بزر می آید(۲)

میں نے الفاظ بدل دیئے ہیں کہ محبوب حقیقی کے مناسب ہو جاوے

ع خود بخود آں مہ دل دار بہ می آید

جب محبوبان مجازی کا یہ عالم ہے تو اس محبوب حقیقی کو کون مجبور کر سکتا ہے وہ تو اس کے شائبہ سے بھی منزہ ہیں۔

آدابِ دعاء

حضور ﷺ کے قربان ہو جایئے فرماتے ہیں: (لَا تَقُلْ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِیْ اِنْ شِئْتَ فَاِنَّہٗ لَا مُکْرِہٌ لَہٗ) کہ یوں دعا نہ مانگو کہ "اے خدا اگر آپ چاہیں تو ہم پر رحم فرمایئے اس واسطے کہ خدا تعالیٰ پر تو کوئی اکراہ و جبر کرنے والا نہیں ہے"۔

(۱) عشق الٰہی کی راہ تجھ سے طے نہیں ہو سکتی اپنے کو اس راستہ پر ڈالدو پھر وہ خود ہی کھینچ لیں۔ جیسے کہ ارشاد ہے: ﴿والذین جاھدو فینا لنھدینھم سبلنا﴾ (۲) میرا محبوب خود بخود ہی دروازے پر آ گیا ہے ورنہ اس کو نہ تو زور و زوری سے لایا جا سکتا ہے نہ مال کا لالچ دیکر لایا جا سکتا ہے۔

صاحبو! دیکھئے ظاہر نظر میں مشیت پر موقوف کر کے دعا مانگنا ادب معلوم ہوتا ہے لیکن واقع میں سخت بے ادبی ہے لیکن کسی کی نظر اس بے ادبی تک نہیں پہنچ سکتی یہ نظر نورِ نبوت اور وحی کی محتاج ہے اور وجہ اس کی داخل بے ادبی ہونے کی یہ ہے کہ درخواست میں مشیت کی قید لگانے کی ضرورت تو اسی وقت ہوتی جب کہ خدا تعالیٰ میں مجبور ہونے کا احتمال بھی ہوتا اس لئے یہ قید لگاتے کہ اللہ تعالیٰ پر دباؤ نہ پڑے یہاں یہ بات کہاں تم دس ہزار مرتبہ مانگو اور دعا کرو وہ چاہیں گے قبول کر لیں گے یا رد کر دیں گے۔ کیونکہ تم قید لگاتے ہو میں سچ کہتا ہوں کہ اگر دنیا بھر کے عقلا جمع ہو کر غور کرتے تو اس دقیقہ تک نہ پہنچتے جہاں حضورؐ پہنچے ہیں اور جب خدا تعالیٰ مجبوری سے بالکل پاک ہیں تو اگر تم کو توفیق روزہ رکھنے اور تراویح و قرآن پڑھنے کی نہ دیتے تو تم کیا کر سکتے تھے۔ اسی لئے فرمایا کہ ''اولہ رحمة'' کیونکہ صوم وغیرہ کی توفیق دینا عبادت کی توفیق دینا بہت بڑی رحمت ہے۔

حقوقِ روزہ

اور چونکہ ارشادِ خداوندی ہے کہ ﴿اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ﴾(۱) نیکیوں سے برائیاں معاف ہو جاتی ہیں تو جب اول رمضان میں توفیق ہو جانے کی وجہ سے اعمال نیک شروع کئے تو ان سے گناہ معاف ہونے شروع ہوئے جب ان کی بدولت گناہ معاف ہو گئے تو وسطِ رمضان مغفرت ہوا اسی کو فرماتے ہیں'' و اوسطه مغفرة '' اور ظاہر ہے کہ گناہوں کا معاف ہو جانا یہی دوزخ سے بچنا ہے تو اس پر متفرع ہو کر یہ ارشاد بھی صحیح ہوا کہ'' و آخره عتق من النیران'' اور یہ تقسیم یا تو مجموعۂ شہر(۲) کے اعتبار سے لی جاوے تو اس میں رات بھی آجاوے گی اور اس صورت میں روزہ کی تخصیص نہ ہوگی بلکہ اعمالِ لیل کا بھی اس

(۱) سورۃ: ھود ۱۱۴ (۲) پورا مہینے کے اعتبار سے۔

فضیلت میں دخل ہوگا اور یا باعتبار اجزاء متفرقہ کے کہ وہ صرف دن کے اوقات ہیں جیسے اس قول میں یہی مراد ہوتا ہے کہ "رحمت الشہر کلہ" تو ظاہر ہے کہ ضمیر مہینہ کی طرف اجزاء متفرقہ یعنی نہار کے اعتبار سے راجع ہوگی۔

پس اسی طرح حدیث میں بھی احتمال ہے تو اس صورت میں یہ مصلحت خاص ہوجاوے گی روزہ کے ساتھ' اور اسی طرح اس تقسیم میں دوسرے اعتبار سے بھی دو احتمال ہیں یعنی ایک یہ ممکن ہے کہ یہ تینوں اثر ہر حصہ میں ہوں لیکن غلبہ اثر کے اعتبار سے تقسیم فرمادیا گیا یعنی چونکہ اول حصہ رمضان میں وصف رحمت کا غلبہ تھا اس کو رحمت کہا گیا گو مغفرت وعتق اس میں بھی ہو اور وسط میں مغفرت غالب تھی اس پر مغفرت کا اطلاق کیا گیا اور اخیر حصہ میں عتق من النار(۱) کا وصف غالب تھا اس لئے اس کو عتق من النیران کہا گیا۔ غرض جس اعتبار سے بھی لیا جاوے آج کا دن حدیث کی آخری جزو کا مصداق ہے ہم کو خدا کا شکر کرنا چاہئے کہ اس نے ہم کو دوزخ سے نجات بخشی۔

عبادات میں ادائیگی حقوق کا اہتمام

لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ حضورؐ نے اس نجات اور آزادی کو رحمت اور مغفرت پر مرتب فرمایا ہے۔ لہذا ہر شخص اپنی حالت دیکھ لے اور سوچ لے کہ اس نے رحمت ومغفرت کا کام کیا ہے یا نہیں اور صرف روزہ وتراویح کی ظاہری صورت سے کوئی گمان نہ کرے کہ میں نے رحمت ومغفرت کا کام کیا ہے کیونکہ ہر عمل کی فضیلت اس وقت ثابت ہوتی ہے کہ جب اس عمل کو مع اس کے

(۱) آگ سے نجات۔

حقوق کے ادا کیا جاوے اور حدیث میں روزہ کے باب میں ہے (مَنْ لَّمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَیْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِیْ اَنْ یَّدَعَ طَعَامَهٗ وَ شَرَابَهٗ)(۱) اب ہر شخص خود دیکھ لے کہ اس نے آج تک کے دن کیونکر گزارے نمازیں پڑھیں یا نہیں پڑھیں اور پڑھیں تو ان کے جملہ حقوق ادا کئے یا نہیں کئے' دن میں ہماری کیا حالت رہی' رات کو ہم نے کیا کام کئے' کسی جگہ نگاہ کو تو آلودہ نہیں ہونے دیا کسی کی غیبت تو نہیں کی' جھوٹ تو نہیں بولا' پس اگر کسی نے ہمت کی وہ سب گناہوں سے بچا اور سب عبادتوں کو مع اس کے حقوق کے بجالایا تو آج اس کے لئے خوشخبری کا دن ہے اور جس نے ہمت سے کام نہیں لیا اس پر آج حسرت ہے۔

استغناء و رحمت

لیکن جن لوگوں نے آج تک کچھ نہیں کیا ہے ان کو بھی مایوس ہو کر نہ بیٹھ جانا چاہئے ابھی کم و بیش وقت باقی ہے اس میں ہی جو کچھ ہو سکے کر لینا چاہئے انشاء اللہ اس کو بھی عتق من النار(۲) ہوگا۔ وہ بارگاہ عجیب بارگاہ ہے یہ حالت ہے کہ ؎

بازآ بازآ ہر آنچہ ہستی باز آ گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست صد بار اگر توبہ شکستی باز آ(۳)

اور جس طرح وہاں ہر وقت بابِ رحمت کشادہ ہے کہ کسی کو آنے کی ممانعت روک ٹوک نہیں اسی طرح وہاں کسی کے آنے' نہ آنے کی پرواہ بھی نہیں ؎

(۱) جو کوئی جھوٹ اور بدعملی نہ چھوڑے اللہ کو کوئی حاجت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے (۲) آگ سے نجات (۳) باز آجاؤ باز آجاؤ جو کچھ بھی کیا ہو باز آجاؤ اگرچہ کفر و بت پرستی کی ہو پھر بھی باز آجاؤ اس بارگاہ میں مایوسی درست نہیں اگر سو مرتبہ بھی توبہ توڑ چکے ہو پھر بھی باز آجاؤ۔

ہر کہ خواہد گو بیاؤ ہر کہ خواہد گو برو دارو گیر و حاجب و دربان دریں درگاہ نیست

کہ جس کا جی چاہے جب چاہے چلا آوے اور جس حالت میں چاہے چلا آوے اور ہر کہ خواہد عموم سے یہ بات بھی سمجھ میں آ گئی ہوگی کہ بعضے لوگ جو کسی ہندو یا عیسائی کو مسلمان کرنے کے قبل اول غسل دیا کرتے ہیں اس کی کوئی ضرورت نہیں ہر کہ کے عموم میں بے غسل والا بھی داخل ہے۔

صاحبو! اسلام میں آنے کے لئے نہ غسل کی ضرورت ہے نہ وضو کی بلکہ اگر استنجا بھی نہ کیا ہو تو اس کے انتظار کی ضرورت نہیں پہلے مسلمان کرلو اور اس کے بعد غسل وغیرہ دو اور ایک یہ بھی تو بات ہے کہ کسی کو کیا خبر ہے کہ چار منٹ کے بعد زندہ رہے گا یا ختم ہو چکے گا۔ بعض لوگ تو یہاں تک غضب کرتے ہیں کہ مسلمان کرنے کے بعد مُسہل (۱) دینے کی تجویز کرتے ہیں میں کہتا ہوں کہ اگر طہارت حاصل کرنے کے لئے یہی شرط ہے کہ حالتِ کفر کی کوئی چیز باقی نہ رہے تو فصد بھی لینا چاہئیے (۲) بلکہ گوشت پوست بھی نیا ہونا چاہئیے الحاصل یہ سب لغو قیود ہیں اس دربار میں جس کا جی چاہے جب چاہے اور جس حالت میں بھی ہو چلا آوے۔ صاحبو! کیا آج کوئی بادشاہ ہے کہ وہ ناپاکوں کو بھی اپنے دربار میں حاضری کی اجازت دے اسی کو عارف شیرازی کہتے ہیں ؎

ہر کہ خواہد گو بیاؤ ہر کہ خواہد گو برو دارو گیر و حاجب و دربان دریں درگاہ نیست

غرض جس طرح یہاں کسی کو آنے کی ممانعت اور روک ٹوک نہیں اسی طرح اگر بگڑ جاوے تو رکھنے کی بھی کوئی تمنا نہیں کرتا کسی کو اس طرح سر نہیں چڑھایا گیا کہ وہ ذرا بھی ناز کر سکے پس جب یہ حالت ہے تو ہم لوگوں کو مایوس نہ ہونا

(۱) دست لانے والی دوا کھلانے کی تجویز دیتے ہیں (۲) خون بھی نکلوا دینا چاہئے۔

چاہئیے اور یہ نہ سمجھنا چاہئیے کہ اب تو سارا رمضان گزر چکا ہے اب ہماری مغفرت کیونکر ہو سکے گی۔

الطاف و مراحم کی گھڑی

آج اٹھائیسواں روزہ ہے ابھی ایک یا دو دن باقی ہیں' میں حسبِ وعدہ شریعت دعویٰ کرتا ہوں کہ اگر آپ چاہیں گے اور کوشش کریں گے تو آج ہی مغفرت ہو جاوے گی یہ ایک دو دن ہی کافی ہو جاوے گا۔ تم اگر گناہوں کی پوٹ لے کر بھی حاضر ہو گئے تو ادھر کے ایک چھینٹے میں سب دھل جاویں گے اس کی ایسی مثال ہے ؎

گر جہاں بر برف گردو سربسر تاب خور بگدازوش از یک نظر

''یعنی اگر سارا عالم بھی برف سے الٹ جاوے تو عالمتاب آفتاب کے نکلتے ہی سب پانی ہو کہ بہہ جاوے گی''

اسی طرح اگر سارا عالم بھی گناہ سے بھر جاوے تو ادھر کی ایک نگاہ کافی ہے۔ سبحان اللہ! کس پاکیزہ مثال سے کتنے بڑے مسئلہ کو با آسانی حل کر دیا۔ واقعی بات یہ ہے کہ اہل اللہ پر چونکہ حقائق کا انکشاف ہوتا ہے اس لئے ان سے زیادہ بہتر کوئی مثال بھی پیش نہیں کر سکتا سچ یہ ہے کہ یہی لوگ سچے فلسفی ہیں چنانچہ افلاطون کو کسی نے خواب میں دیکھا اور اس سے ایک ایک حکیم کا نام لے کر پوچھا کہ یہ کیسے تھے سب کی نسبت یہی کہتا رہا کہ کچھ نہیں پھر اس نے حضرت بایزیدؒ حضرت شیخ شہاب سہروردیؒ کی نسبت پوچھا تو اس نے کہا کہ ''اولئك هم الفلاسفة حقا'' خیر مقصود یہ ہے کہ دو دن جو باقی ہیں ان میں تو اپنی کچھ فکر کر لینی چاہئیے پھر تو بعد رمضان معلوم ہی ہے کہ آزاد و غافل ہو جاؤ گے اگرچہ ادھر کے الطاف و مراحم پر نظر

کر کے تو ایک دم کی غفلت بھی جائز نہیں ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی شاید کہ نگاہے کند آگاہ نہ باشی(۱)

اہل اللہ اور نیک لمحات کی قدر کرو

بخدا جس کا کام بنا ہے ایک ہی لمحہ میں بن گیا ہے ایک ہی لمحہ کی عنایت کافی ہوگئی ہے مگر بہت دن تک اس لئے لگے رہتے ہیں کہ وہ لمحہ معین نہیں یعنی یہ خبر نہیں کہ وہ ایک لمحہ کس وقت ہوگا جس میں نگاہ اکسیر اثر پڑ جاوے گی اسی کو مولانا بھی ایک تفسیر پر فرماتے ہیں ؎

صحبتِ نیکاں اگر یک ساعت است بہتر از صد سالہ زہد و طاعت است (۲)

یک زمانے صحبت با اولیا بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا (۳)

بعض نے اس کی یہی توجیہ کی ہے کہ تمام اوقات میں سے ایک وقت ایسا ہوتا ہے چنانچہ شاہ بھیک صاحبؒ اور شاہ ابوالمعالی صاحبؒ کا قصہ ہے کہ شاہ ابوالمعالی صاحبؒ کسی بات پر شاہ بھیک صاحبؒ سے خفا ہوگئے اور علیحدہ کر دیا یہ جنگلوں میں روتے پھرتے تھے' برسات آئی' حضرت کا مکان ٹپک پڑا بی بی صاحب نے فرمایا ایک آدمی گنوار سا ان کاموں کے لائق تھا اسی کو آپ نے نکال دیا' حضرت نے فرمایا کہ میں نے ہی تو نکالا ہے تم بلالو میں تم کو تو منع نہیں کرتا بی بی صاحب نے بلا بھیجا ان کی عید آ گئی آ موجود ہوئے بی بی صاحب نے مکان کی حالت دکھلائی وہ فوراً جنگل پہنچے اور لکڑی مٹی جمع کر کے مرمت میں لگ گئے حتی کہ مکان کی تکمیل

(۱) مالک حقیقی سے ایک لمحہ کے لئے غفلت برتنا بھی مناسب نہیں شاید وہ تمہاری طرف متوجہ ہو اور تمہیں خبر بھی نہ ہو (۲) نیک لوگوں کی ایک لمحہ کی صحبت سو سالہ زہد و طاعت سے بہتر ہے (۳) اولیاء اللہ کی ایک لمحے کی صحبت سو سالہ بے ریا عبادت سے بہتر ہے۔

کر کے چھت پر مٹی کوٹ رہے تھے کہ حضرت گھر میں تشریف لائے اور کھانا کھانے بیٹھ گئے اور چھت پر سے مٹی کوٹنے کی آواز سن کر رحمت کا جوش ہوا اور باہر صحن میں تشریف لا کر ان کو ٹکڑا روٹی کا دکھلایا کہ لو۔ وہ وہیں سے کود پڑے حضرت نے لقمہ ان کے منہ میں دیا اور سینہ سے لگایا' بس سارا کام ایک لحہ میں بن گیا۔ اس لئے کہتا ہوں کہ ایک لحہ بھی غفلت مت کرو مگر خیر اتنی ہمت نہ ہو تو رمضان رمضان تو بیدار رہو یہ ایک دو دن رہ گیا ہے اس کو ضائع مت کرو۔

حقیقتِ استغفار

نیز اس مضمون کے متعلق میں وہ حدیث پھر یاد دلاتا ہوں جو کہ جمعہ گزشتہ کو بیان کی گئی تھی کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں: ''رغم انفہ رغم انفہ رغم انفہ'' صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کون شخص؟ فرمایا ایک تو وہ میرا نام اس نے سنا اور مجھ پر درود نہ بھیجا' دوسرا وہ شخص کہ اس کے سامنے اس کے بوڑھے ماں باپ زندہ رہے اور اس نے ان کی خدمت کر کے جنت نہ لے لی تیسرا وہ شخص کہ رمضان شریف آئے بھی اور گزر بھی گئے اور وہ اسی طرح گنہگار سیاہ کار رہا اور نیک عمل کر کے اس نے اپنی مغفرت نہ کرائی۔

صاحبو! غور کرو حضورؐ اس شخص کو کوس رہے ہیں اور حضورؐ کا کوسنا خدا کا کوسنا ہے اور جس شخص کو خدا تعالیٰ کوسیں اس کا ٹھکانا کہاں ہو سکتا ہے ؎

چوں خدا را از خود سوال و گد کند پس دعائے خویشتن چوں رد کند(۱)

تو حضور ﷺ جو کچھ بھی فرماتے ہیں وہ ارشادہ خداوندی ہوتا ہے حضورؐ کی تو وہ حالت ہے ؎

(۱) جب اللہ تعالیٰ خود یہ کہتے ہیں کہ مجھ سے سوال کرو اور مانگو تو پھر دعاء کرنے والے کی دعاء کو کب رد کرینگے۔

درپس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند آنچہ استاد ازاں گفت بگو می گویم(۱)

تو آپ کا بددعا کرنا خالی نہیں جاسکتا اب فکر کرو اگر مغفرت چاہتے ہو تو خدا تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہو اور معاف کرانے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ صرف تسبیح ہاتھ میں لے کر استغفراللہ استغفراللہ پڑھتے رہو بلکہ یہ بھی کرو اور اس کے ساتھ اہل حقوق کے حقوق بھی ادا کرتے رہو اگر کسی شخص کے پاس دوسرے کی زمین دبی ہو یا مورثی ہو اس کو چھوڑ دو کسی کے ذمہ کسی کا قرض ہو اس کو ادا کردو اور سبکدوش ہوجاؤ (۲) لوگ اپنے جی میں کہتے ہوں گے کہ موروثی زمین چھوڑنے کی بے ڈھب کہی پھر ہم کھاویں گے کہاں سے؟ لیکن صاحبو! غور کرو اگر کسی شخص کے موروثی کھیتوں میں کو ریل نکل جاوے اور اس کے سب کھیت ریل میں آجاویں اور معاوضہ ملے زمین دار کو تو یہ کیا کریگا اور کہاں سے کھاوے گا افسوس ہے کہ ظاہری حکومت کے سامنے تو کان نہ ہلایا جاوے اور خداوندی حکم کے سامنے چوں چرا کی گنجائش ہو۔

احسان شناسی کا تقاضا

اصل یہ ہے کہ آپ لوگوں کے دلوں میں اسلام اور اس کے احکام کی چونکہ بلا مشقت مل گئے ہیں باوجود سراسر نافع (۳) ہونے کے کہ بڑا نفع رضائے حق ہے قدر و قیمت نہیں ہے۔ خوب کہا ہے ؎

اے گراں جاں خوارید ستی مرا زانکہ بس ارزاں خرید ستی مرا (۴)

(۱) میری کیفیت وحالت اس طوطے کی طرح ہے کہ اس کو جو سکھایا جائے وہی بولتا ہے پس میرے استاد ازل یعنی اللہ نے جو مجھے کہنے کے لئے کہا میں وہی کہتا ہوں (۲) بری الذمہ ہوجاؤ (۳) ہر اعتبار سے مفید ہونے کے باوجود (۴) انہوں نے میری قدر نہ کی اس لئے کہ انہوں نے مجھے سستا خریدا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے ﴿مَاقَدَرُوااللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ﴾ (۱) سبب یہ ہے کہ اسلام کے ملنے میں کچھ زر (۲) تو خرچ نہیں ہوا کہ اس کی قدر ہوتی ۔

ہر کہ او ارزاں خرد ارزاں دہد گوہرے طفلے بقرص نان دہد (۳)

حکام کی خوشنودی تو بڑی کوششوں سے زر و جواہر خرچ کرنے سے حاصل ہوتی ہے بخلاف رضائے خداوندی کے' لیکن حقیقت میں یہ سخت رذالت ہے کیونکہ جس قدر زیادہ احسان کسی کا ہوتا ہے اسی قدر زیادہ اس کے سامنے پگھلا کرتے ہیں اور شرماتے ہیں نہ کہ الٹی شرارت اور نافرمانی پر کمربستہ ہوجاویں لہذا اپنی اس معمولی تکلیف اور مشقت کی کچھ پرواہ نہ کرنی چاہئیے اگر کسی کے پاس موروثی زمین (۴) ہے۔ تو اس کو چاہئیے کہ فوراس کو چھوڑ دے بلکہ میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص موروثی زمین چھوڑ دے تو وہ زیادہ آرام و آسائش میں رہے گا۔ کیونکہ ایسا کرنے سے وہ ایماندار اور خوش معاملہ مشہور ہوجاوے گا پھر ہر زمین دار کوشش کریگا کہ اس کی زمین اسی کے کاشت میں رہے اگر اب بھی لوگوں کی سمجھ میں نہ آوے اور نہ مانیں تو وہ جانیں۔

دو شخص ضلع سہارنپور کے میرے پاس آئے' میں اتفاق سے موضع بھنسانی گیا ہوا تھا وہ میرے پاس وہیں پہنچے کہ ہم کو مرید کرلو' میں نے پوچھا تمہارے پاس موروثی زمین تو نہیں معلوم ہوا کہ ہے میں نے کہا کہ اس کو چھوڑ دو کہنے لگے کہ پہلے مرید کرلو پھر چھوڑ دیں گے میں نے کہا کہ پہلے چھوڑ آؤ جب مرید کروں گا یہ سن کر

(۱) سورۃ: الحج ۷۴ (۲) پیسہ (۳) جو چیز آدمی سستی خریدتا ہے سستی ہی دیدیتا ہے جیسے بچہ ایک نان کے ٹکڑے کے عوض قیمتی موتی دے ڈالتا ہے (۴) حکومت برطانیہ کا ظالمانہ قانون تھا کہ جو کسی کی زمین بارہ سال سے زائد کاشت کرلے وہ اس کی ہوجاتی اور مالک زمین اس کو بے دخل نہیں کرسکتا۔ پھر ہمیشہ اسی کو کاشت کے لئے دے اس کو موروثی کہتے تھے۔

چھوڑ کر آنے کا وعدہ کر گئے اور آج تک واپس نہیں آئے' ایک گاؤں کے لوگ مدت سے مجھے بلا رہے ہیں لیکن اس لئے جانے کی نوبت نہیں آئی کہ وہاں سب کے پاس موروثی زمینیں ہیں' بس وہ میرے اس سوال کا جواب نہیں دے سکتے کہ مجھ کو روٹی کہاں سے کھلاؤ گے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر ایک درہم حرام اور نو حلال کے ہوں تو اس ایک کے مل جانے سے اس کی سب عبادت غارت ہے اور غضب یہ ہے کہ لوگ حرام کمائی بیوی بچوں کے لئے کماتے ہیں یہ بھی نہیں کہ اپنے لئے ایسا کریں۔

مالِ حرام اور روزہ

لیکن اسی سے کوئی یہ تجویز نہ کرلے کہ جب ہمارے پاس حلال کی آمدنی نہیں ہے اور حرام کی آمدنی کھانے سے روزہ قبول نہیں ہوتا تو روزہ رکھنے سے کیا فائدہ؟ کیونکہ اب تو صرف ایک گناہ ہے کہ حرام مال سے پیٹ بھرا اگر روزہ نہ رکھو گے تو ایک دوسرے اس سے بھی زیادہ سخت گناہ میں ماخوذ ہونگے۔

فرحتِ عیدالفطر

یہ بیان تھا بقایا رمضان کے متعلق اب حسبِ وعدہ دوسرا مضمون عید کے متعلق بیان کرتا ہوں اور اتفاق سے اس حدیث سے اس کا بھی تعلق ہے وہ یہ ہے کہ حدیث میں رمضان کے آخری حصہ کو عتق من النیران فرمایا گیا ہے اور یہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ مطلب اس کا یہ ہے کہ یہ عتق رحمت اور مغفرت پر مرتب ہے جب یہ بات ثابت ہوگئی تو معلوم ہوا کہ آخر رمضان میں رحمت' مغفرت اور عتق من النیر ان تینوں کا تحقق ہے ایک مقدمہ تو یہ ہوا اس کے ساتھ ایک دوسرا

مقدمہ قرآن سے ملاؤ کہ ﴿ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ﴾(۱) ان دونوں مقدموں کے ملانے سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اس موقعِ رحمت پر کوئی فرحت ہونی چاہئیے اوراس فرحت کا جزئیہ بھی حدیث سے اثبات کیا جاتا ہے فرماتے ہیں: (لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ الْإِفْطَارِ وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهٖ) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وقت افطار کا وقت فرحت کا ہے اس کے بعد یہ سمجھنا چاہئیے کہ افطار دو ہیں ایک افطارِ صغیر جو کہ روز مرہ ہوتا ہے دوسرے افطارِ کبیر یعنی وہ افطار کہ ختم رمضان پر ہو جس پر روزے پورے ہوجاتے ہیں جس کی طرف عید کو مضاف کر کے عیدالفطر کہتے ہیں۔ پس یہ افطار مجموعہ شہر(۲) کا ہے نہ کہ کسی خاص جزو کا جیسا کہ ہمارے ناواقف بھائیوں نے ایک جاہلانہ مسئلہ ایجاد کیا ہے کہ عید کی شب کو بالکل نہیں کھاتے جب صبح ہوچکتی ہے تو کچھ کھالیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ روزہ کھول لو اس رسم کو اپنے ایام طفلی(۳) سے میں دیکھتا چلا آتا ہوں تحقیق کرنے سے اس کی اصل یہ معلوم ہوئی کہ حضور ﷺ کا معمول تھا کہ عید کے روز صبح کو کچھ کھالیا کرتے تھے اس کے بعد نماز کو تشریف لے جاتے تھے اور دقیقہ شناسانِ امت(۴) نے اس کی ایک حکمت بالقاء حق بیان کی ہے اور بالقاء حق کی قید میں نے اس لئے لگادی کہ اسرار حکم میں غور و فکر کرنا مناسب نہیں کیونکہ جو کچھ فکر سے حاصل ہوگا تمہارے ذہن کا اختراع ہوگا نہ کہ حکمت' کیونکہ فکر وصول الی الحق کا طریق ہی نہیں ؎

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ جز شکستہ مے نگیرد فضل شاہ(۵)

پس ہم کو بالکل شکستگی اختیار کرنی چاہئیے اس سے البتہ ہم پر فیضان ہوسکتا ہے خوب کہا ہے ؎

(۱) سورۃ: یونس ۵۸ (۲) پورے مہینے کا افطار ہے (۳) اپنے بچپن سے (۴) امت کے سمجھدار لوگوں نے (۵) یہاں عقلی گھوڑے دوڑانے سے کام نہیں بنتا یہاں تو سپرداری ہی سے بادشاہ کا فضل متوجہ ہوسکتا ہے۔

ہرکجا پستی ست آب آنجا رود ہر کجا مشکل جواب آنجا رود
ہرکجا دروے دوا آنجا رود ہرکجا رنجے شفا آنجا رود(۱)

تو جب تم بالکل اپنے کو سپرد کردو گے تو خدا تعالیٰ خود بخود ان علوم کا القاء تمہارے قلب میں کریں گے اور وہ حالت ہوگی ۔

بینی اندر خود علوم انبیاء بے کتاب و بے معید داد ستا

غرض دقیقہ شناسانِ امت کو بالقاء حق یہ بات معلوم ہوئی کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اپنے اس فعل سے یہ بات ظاہر فرماتے ہیں کہ آج روزہ نہیں ہے تا کہ لوگ حد شرعی سے آگے نہ بڑھ جاویں تو جس طرح حضورؐ نے ابتداءِ رمضان کی ایک حد مقرر فرمادی ہے اسی طرح انتہاء رمضان کی بھی ایک حد مقرر فرمادی اگر ایسا نہ فرماتے تو یہود و نصاری کی طرح سب لوگ گڑ بڑ میں پڑ جاتے اسی واسطے رمضان سے پہلے مستقلا روزہ رکھنے کو بھی منع فرمایا لیکن اس میں فرق کیا کہ تقدم کو تو حرام نہیں کیا اور تأخر کو حرام کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تقدم میں اہتمام اس بات کا بھی ہے کہ ممکن ہے آج رمضان ہو کیونکہ بعض دفعہ ایسا ہوجاتا ہے کہ ۲۹ کا چاند دس پانچ جگہ نظر آوے اور دو چار جگہ نظر نہ آوے پس ممانعت خفیف ہوئی تا کہ ممانعت بھی اپنے حد پر رہے اور رمضان کے ختم پر اس وقت تک عید کرنا جائز نہیں جب تک کہ رؤیت کا تیقن نہ(۲) ہوجائے اور جب تیقن ہوجاوے تو اب اس میں احتمال رمضانیت کا نہیں اس لئے رمضان کے بعد متصلا یعنی عید کے روز روزہ رکھنا حرام ہوا۔ وھذا من المواھب (۳)پس باتباع اسی اظہار کے لئے اکثر بزرگ صبح

(۱) جہاں نشیب ہو پانی وہیں جاتا ہے۔ جس کو اشکال ہو جواب اسی کو دیا جاتا ہے جو بیمار ہو دوا اسی کو دی جاتی ہے۔ جہاں تکلیف ہو شفا وہاں ہی ہوتی ہے (۲) جب تک چاند کے نظر آنے کا یقین نہ ہوجائے (۳) اللہ کے الہام سے یہ مضمون بیان ہوا۔

ہوتے ہی کچھ کھا لیتے تھے تا کہ معلوم ہو جاوے کہ آج روزہ نہیں لوگوں نے سمجھا کہ یہ رات کے روزہ کا افطار ہے حالانکہ وہ افطار کبیر تھا اور یہ سمجھ کر اس رات میں روزہ رکھنا شروع کر دیا جس کا نام شبہ ہونا زیادہ مناسب ہے۔ غرض اس سے معلوم ہوا کہ شرعا افطار کبیر بھی کوئی چیز ہے اور وہ بھی محلِ فرحت ہونا چاہئیے پس اسی افطار کبیر کی فرحت کا نام عید ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر اس کی نصا تشریح (۱) نہ ہوتی تو اس حکمت کی بنا پر رائے سے تقرر عید کا ہوسکتا' حکمت کا رائے سے سمجھنا اور اس پر بناءِ حکم کرنا یہ کافی نہیں' مدار اصلی تشریع ہی پر ہے۔

اگر چہ اس کی حکمت بالکل نامعلوم ہو البتہ تشریع کے بھروسہ کچھ حکمت بھی سمجھ میں آسکتی ہے۔ باقی حکمت کے سمجھنے پر حکم کا ماننا موقوف نہیں ہماری تو وہ حالت ہونی چاہئیے ؎

زبان تازہ کردن باقرار تو نینگیختن علّت از کار تو(۲)

اور ہمارا وہ مذہب ہے جیسا حضرت استاذی علیہ الرحمۃ کا ارشاد ہے'' کہ ہر درویشے کہ چوں و چرا کند و ہر طالب علمے کہ چوں و چرا نکند ہر دو را در چراگاہ باید فرستاد''(۳)۔ طالب علم کو تو چوں چرا کا حق اس لئے ہے کہ وہ طالب فن ہوتا ہے لیکن طالب عمل کو اس کی اجازت ہرگز نہیں اور حکمت کی تلاش میں ایک مفسدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ عوام یوں سمجھ جاتے ہیں کہ یہی مصالح بناءِ حکم (۴) ہیں اور جب کسی حکم میں ان کو مصالح نظر نہیں آتے تو اس حکم کے من اللہ (۵) ہونے میں ان کو شبہ ہونے لگتا ہے یا اگر کوئی مصلحت اپنے ذہن سے مخترع (۶) کی اور اس کو مدار حکمت سمجھا اور وہ

(۱) حدیث میں اگر اس کی وضاحت نہ ہوتی (۲) میں تو صرف آپ کی بات نقل کر کے اپنی زبان کو تازگی بخشتا ہوں مجھے علتوں سے کوئی سروکار نہیں (۳) ہر وہ سالک جو زیادہ سوالات کرے اور ہر وہ شاگرد جو سوالات نہ کرے دونوں کو جنگل میں بھیج دینا چاہئیے (۴) یہی مصلحتیں حکم کی بنیاد ہیں (۵) اللہ کی طرف سے ہونے میں (۶) گھڑلی۔

مخدوش ہوگئی تو اس کے انہدام (۱) سے حکمت کے انہدام کا شبہ ہوجاتا ہے ہاں اگر مصلحت خود بخود بلا تلاش ذہن میں آجائے تو اس کے بیان میں مضائقہ نہیں ہے اور وہ بھی ظناً۔ غرض جب ادھر سے بولنے کا اشارہ پاوے جیسا بلافکر کوئی وارد قلب میں آجاوے زبان کھولے ورنہ لب بستہ رہے کہ نطق وسکوت میں اسی کا تابع رہنا چاہئیے خوب کہا ہے۔

بگوش گل سخن گفتۂ کہ خنداں ست بعند لیب چہ فرمودۂ کہ نالاں ست (۲)

عید میلاد النبیؐ؟

غرض یہ کہ عید ایک ایسا زمانہ ہے جس میں ہم کو بشاشت (۳) کا حکم ہے اور چونکہ یہ دینی خوشی ہے اس لئے اس کے اظہار کا طریقہ بھی دین ہی سے تحقیق کرنا چاہئیے، تفصیل اس کی یہ ہے کہ خوشی دو قسم کی ہوتی ہے ایک دنیوی خوشی اور ایک دینی خوشی، سو دینی خوشی پر کسی خاص ہیئت پر خوشی منانا یہ محتاج وحی کا ہے یعنی اگر ہم کسی مذہبی خوشی میں کسی خاص طریقہ سے خوشی منانا چاہیں تو ہم کو دیکھنا چاہئیے کہ شریعت نے اس موقع پر عید کرنے اور خوشی منانے کی ہم کو اجازت دی ہے یا نہیں؟ کیونکہ اس میں اپنی رائے سے اختراع (۴) کرنا متضمن ہوگا ایک مفسدہ پر، یعنی چونکہ اصل بناء اس کی دین ہے اس لئے عوام اس طریقِ مخترع کو بھی دین سمجھیں گے اور یہ مفسدہ ہوسکتی ہے۔ آجکل ہمارے چنداخوان زماں (۵) نے ایک عظیم الشان مفسدہ کی بنیاد ہندوستان میں ڈالی ہے یعنی یومِ ولادت جناب نبی کریم ﷺ کو یومِ عید بنانے کی تجویز کی ہے اور یہ خیال ان کے ذہن میں دوسری اقوام کے طرزِ عمل کو جو اپنے

(۱) اس کے ٹوٹنے سے (۲) پھول کے کان میں کیا کہہ یا کہ مسکرا رہا ہے اور عندلیب کو کیا کہہ یا کہ آہ وفغاں کررہا ہے (۳) خوشی (۴) کوئی طریقہ ایجاد کرنا (۵) اس زمانے کے کچھ لوگوں نے۔

اکابرِ دین کے ساتھ کرتے ہیں دیکھ کر پیدا ہوا ہے لیکن اس قاعدہ مذکورہ کی بنا پر لوگوں کو سمجھ لینا چاہئیے کہ یومِ ولادت کی خوشی دنیوی خوشی نہیں ہے یہ مذہبی خوشی ہے پس اس کے تعینِ طریق کے لئے وحی کی اجازت ضروری ہے اور اگر کوئی یہ کہے کہ ہم بطور سالگرہ کے دنیوی طرز پر کرتے ہیں تو میں کہوں گا کہ ایسا کرنے والے سخت بے ادبی اور گستاخی جناب نبویؐ میں کررہے ہیں۔ صاحبو! کیا حضورؐ کو اس جلالت و عظمت پر دنیا کے بادشاہوں پر جن کو حضور سے کچھ بھی نسبت نہیں ہے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اس فرحت کے لئے بس ایک دنیوی رذیل سامان اسی طرح کا کرتے ہو جیسا ان سلاطین کے لئے کیا کرتے ہو

ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک (۱)

حکایت

مجھے اس موقع پر ایک بزرگ کی حکایت یاد آ گئی کہ وہ جنگل میں رہتے تھے ایک کتیا پال رکھی تھی، اتفاق سے ایک مرتبہ کتیا نے بچے دیئے تو آپ نے تمام شہر کے معززین کو مدعو کیا لیکن ایک بزرگ شہر میں رہتے تھے ان کو نہیں بلایا ان بزرگ نے ازراہِ بے تکلفی دوستانہ شکایت کی تو ان بزرگ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ حضرت میرے یہاں کتیا نے بچے دیئے تھے اس کی خوشی میں سگانِ دنیا کی دعوت کردی، سخت گستاخی تھی کہ میں ان دنیا کے کتوں کے ساتھ آپ کو مدعو کرتا۔ جس روز میرے اولاد ہوگی اور مجھ کو خوشی ہوگی اس دن آپ کو مدعو کرونگا ان کتوں میں سے ایک کو بھی نہ پوچھوں گا جب اولیاء کے ساتھ دنیاداروں کا سا برتاو بے ادبی ہے تو سید الانبیاء کے ساتھ دنیاداروں کا سا برتاؤ کیسے بے ادبی نہ ہوگی۔

(۱) عالم پاک کے ساتھ خاک کو کیا نسبت۔

صومِ یومِ میلاد

اب اس کی دلیل سنیئے کہ یومِ ولادت مذہبی خوشی ہے دنیوی خوشی نہیں ہے، یہ تو سب کو معلوم ہے کہ دنیا کا اطلاق اس خطہ زمین پر یا زیادہ سے زیادہ چند فرسخ اس کے متصل ہوا پر ہوتا ہے پس اگر کوئی دنیوی خوشی ہوگی تو اس کا اثر اسی خطہ زمین تک محدود رہے گا اس سے متجاوز نہ ہوگا اور ولادت حضور پر نورؐ کے دن نہ صرف زمین کے موجودات بلکہ ملائکہ عرش و کرسی اور باشندگان عالمِ بالا سب کے سب مسرور اور شادماں تھے وجہ یہ تھی کہ حضورؐ کی ولادت شریفہ کفر و ضلالت کی ماحی (۱) اور توحید حق کی حامی تھی جس کی بدولت عالم کا قیام ہے کیونکہ قیامت اسی وقت قائم ہوگی جب ایک شخص بھی دنیا میں خدا کا نام لینے والا نہ رہے گا اور قیامت کے قائم ہونے سے فرشتے بھی اکثر فنا ہوجاویں گے پس آپ کا ظہور چونکہ سبب تھا تمام عالم کے بقاء کا اس لئے تمام عالم میں یہ خوشی ہوئی جب اس کا اثر دنیا سے متجاوز ہوگیا تو اس خوشی کو دنیوی خوشی نہیں کہہ سکتے جب معلوم ہوا کہ یہ دنیوی خوشی نہیں بلکہ مذہبی خوشی ہے تو اس میں ضرور ہر طرح سے وحی کی احتیاج ہوگی یعنی اس کے وجود میں بھی اور اس کی کیفیت میں بھی اب مجوزین ہم کو دکھلائیں کہ کس وحی سے یومِ ولادت کے یوم العید بنانے کا حکم معلوم ہوتا ہے اور کیا صورت اس کی بتلائی گئی ہے اگر کوئی ﴿ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ ﴾ سے استدلال کرے تو میں کہوں گا کہ صحابہ کرامؓ جو کہ حضورؐ کی صحبت اُٹھائے ہوئے تھے اور تمام عالم سے زیادہ کلام مجید کو سمجھتے تھے ان کی سمجھ میں یہ مسئلہ کیوں نہیں آیا بالخصوص جبکہ حضور پُر نور کی محبت بھی ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کی ہوئی تھی علیٰ ہذا (۲) تابعین رحمہم اللہ جن میں بڑے بڑے مجتہد

(۱) کفر وضلالت کو مٹادینے والی (۲) اسی طرح۔

ہوئے ہیں ان کی نظر یہاں تک کیوں نہ پہنچی۔ ہاں جن امور کے متعلق حضورؐ سے اجازت ہے اس کو ضرور کرنا چاہئے مثلاً آپ ﷺ نے اپنی ولادت کے دن روزہ رکھا اور فرمایا: (ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ وُلِدتُّ فِيْهِ)(۱) اس لئے ہم کو بھی اس دن روزہ رکھنا مستحب ہوسکتا ہے' دوسرے پیر کے دن نامۂ اعمال حق تعالیٰ کے رو برو پیش ہوتے ہیں' پس یہ مجموعہ وجہ ہوگی اس حکم کی اور اگر منفرد بھی مانا جاوے تب بھی صحیح ہے لیکن صرف اُسی قدر کی اجازت ہوگی جتنا ثابت ہے۔

حقیقتِ عرس

اور جس طرح یوم ولادت کی خوشی کے اختراعات (۲) باطل ہیں اسی طرح کسی کی وفات کی تاریخ کے (کہ وہ دن بزرگوں کی خوشی کا دن ہے) اختراعات بھی۔ اور یہیں سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ آجکل جو لوگوں نے بزرگوں کے عرس کا طریقہ اختراع کیا ہے یہ بھی محض لغو اور تجاوز عن الحد (۳) ہے۔ اصل حقیقت اس کی یہ تھی کہ عرس کے معنی لغت میں شادی کے ہیں اور حاصل شادی کا یہ ہے کہ محبّ کا محبوب سے وصل ہو پس چونکہ ان حضرات کی موت ان کے لئے وصلِ محبوب ہے اس لئے ان کے یوم وصال کو یوم العرس کہا جاتا ہے نیز ایک روایت میں بھی آیا ہے کہ جب کسی مقبول بندے کی وفات ہوتی ہے اور فرشتے اس کی قبر میں آکر سوال کرتے ہیں تو سوال وجواب کے بعد کہتے ہیں ''نَمْ كَنَوْمَةِ الْعُرُوْسِ''(۴) تو وہ دن ان حضرات کے لئے یوم العرس (۵) ہوا اسی کو ایک بزرگ خوب کہتے ہیں ؎

اور گو وصل ان حضرات کو دنیا میں بھی ہوتا ہے تاہم اس وصل میں اور اس

خوشا وقتے و خرم روزگارے کہ یارے برخوردازوصل یارے (۶)

---

(۱) یہ وہ دن ہے جس دن میں پیدا کیا گیا ہوں (۲) گھڑی ہوئی خوشی باطل ہے (۳) حد سے متجاوز ہونا ہے (۴) دلہن کی نیند سوجا (۵) خوشی کا دن (۶) کتنا عمدہ وقت اور کتنا پیارا دن ہے کہ یار اپنے محبوب سے ملنے جارہا ہے۔

وصل میں فرق ہے کہ یہاں بہ حجاب ہے اور وہاں بلا حجاب جیسا مولانا نے فرمایا ؎

گفت مکشوف و برہنہ گو کہ من می نہ گنجم باصنم در پیرہن(۱)

''مکشوف و برہنہ ہو کر کہنے لگا کہ معشوق کے ساتھ لباس میں نہیں سما سکتا ہے''

اگرچہ خدا تعالیٰ جسم اور لوازم اور عوارض جسم سے پاک ہے لیکن یہ مثال کے لئے کہا جاتا ہے اور جیسا حضرت غوث پاکؒ فرماتے ہیں ؎

بے حجابانہ درآ ازورِ کاشانۂ ما کہ کسے نیست بجز درد تو درخانۂ ما

''ہمارے محل کے دروازہ سے بے پرواہ ہو کر آ' کیونکہ ہمارے گھر تیرے درد کے سوا اور کوئی نہیں''

یہ کیفیت تو وہاں کے وصال کی ہے اور دنیا میں بوجہ حجاب اور سیری نہ ہونے کے ان کی یہ حالت ہوتی ہے ؎

دل آرام در بردل آرام جو لب از تشنگی خشک برطرف جو
نگویم کہ برآب قادر نیند کہ برساحل نیل مستسقی اند

''تو اپنے محبوب کو ڈھونڈ رہا ہے حالانکہ تیرا محبوب تیرے پہلو میں ہے تو دریا کے کنارے کھڑا ہے اور تیرے ہونٹ پیاس کی وجہ سے خشک ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ وہ پانی پر قدرت نہیں رکھتے بلکہ یوں سمجھنا چاہیے کہ دریائے نیل کے کنارہ پر استسقاء کے مریض کھڑے ہیں''۔

اور چونکہ مر کر ان کو یہ دولت نصیب ہوتی ہے اس لئے وہ اس کی تمنائیں کرتے ہیں اور شدتِ شوق میں یوں کہتے ہیں کہ ؎

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم راحت جاں طلبم وز پئے جاناں بروم(۲)

(۱) میں کہتا ہوں کہ مجھے بے لباس کردو میں محبوب سے لباس کے حجاب میں ملنا نہیں چاہتا (۲) وہ دن کتنا خوشگوار ہوگا کہ اس ویران منزل سے میں جاؤں گا میں اپنی جان کی راحت طلب کروں گا اور محبوب کے پیچھے پیچھے جاؤں گا۔

اور ان حضرات کو چونکہ مرنے کی خوشی ہوتی ہے اس لئے اس میں نہایت مطمئن ہوتے ہیں چنانچہ ایک نقشِ بندی بزرگ کی حکایت ہے کہ انہوں نے وصیت کی تھی کہ جب میرا جنازہ لے چلو تو ایک شخص یہ اشعار ساتھ ساتھ پڑھتا چلے ؎

مفلسانیم آمدہ کوئے تو شیئا للہ از جمال روئے تو
دست بکشا جانب زنبیل ما آفریں بر دست و بربازوئے تو

''ہم سب محتاج ہیں تیری گلی میں آئے ہیں خدا کے لیے اپنے چہرہ مبارک کے جمال سے کچھ تو مل جائے۔ اپنے ہاتھ کو ہماری جھولی کی طرف بڑھاوے تیرے دست و بازو کو شاباش ہے''

کیوں صاحب کیا بے اطمینانی میں کسی کو ایسی فرمائشوں کی سوجھ سکتی ہے؟ یہ غایت فرحت کا اثر تھا حضرت سلطان نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کی حکایت مشہور ہے کہ جب آپ کا انتقال ہوگیا اور جنازہ لے چلے ایک مرید نے شدت غم میں درد کے ساتھ یہ اشعار پڑھے ؎

سروسیمینا بصحرا می روی سخت بے مہری کہ بے ما میروی
اے تماشا گاہ عالم روے تو تو کجا بہر تماشا میروی(۱)

لکھا ہے کہ ہاتھ کفن کے اندر بلند ہوگیا صاحبو! ایک ایسا شخص جس کی یہ حالت ہو کہ

ع پابدستے دگراں دست بدست دگراں

کیا اس کو وجد ہوسکتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی بے حد فرحت کا دن ہوتا ہے ایک دوسرے بزرگ انتقال کے وقت منتظرانہ و مشتاقانہ فرماتے ہیں ؎

(۱) اے سرو سیمین تو جنگل کی طرف جارہا ہے بڑی بے مروتی ہے کہ ہم کو چھوڑ کر جارہا ہے اے وہ ذات کہ تیرا روئے مبارک ایسا ہے کہ سب لوگ اس کو ہر وقت دیکھنا چاہتے ہیں تو خود کس طرف تماشا دیکھنے جارہا ہے۔

وقت آں آمد کہ من عریاں شوم جسم بگذارم سراسر جاں شوم(۱)

اور یہ حالت کیوں نہ ہو جبکہ وہ جانتے ہیں کہ اب پردہ ہائے ہیولانی جو کہ مانع دیدار تھے اُٹھتے ہیں اور کوئی گھڑی ہے کہ محبوب حقیقی کا دیدار نصیب ہوگا صرف یہ نہیں کہ ان کو جنت کی یا حوروں کی ہوس ہوتی ہے۔ حضرت ابن الفارضؒ کا واقعہ لکھا ہے کہ جب ان کا انتقال ہونے لگا تو جنت منکشف ہوئی آپ نے اس طرف سے منہ پھیر لیا اور کہا ؎

ان کان منزلتی فی الحب عندکم ماقد رأیت فقد ضیعت ایامی

''اگر محبت میں میرا مرتبہ تمہارے نزدیک یہی ہے جو میں دیکھ رہا ہوں تو کیا میں نے اپنا وقت تو ضائع ہی کیا''۔

کہ جان تو آپ کے لئے دے رہا ہوں جنت کو کیا کروں۔ آخر جنت چھپ گئی اور فوراً تجلی ظاہر ہوئی اور جان بحق ہوئے ان کی بالکل وہی حالت ہوگئی کہ ؎

گر بیاید ملک الموت کہ جانم ببرد تانہ بینم رخ تو روح رمیدن ندہم(۲)

عرس کی خرابیاں

اکثر لوگ ان حالات کو سن کر تعجب کریں گے لیکن یہ تعجب صرف اس وجہ سے ہے کہ خود اس سے محروم ہیں مگر ایسے لوگوں سے یہ کہا جاتا ہے کہ

ع تو مشو منکر کہ حق بس قادرست(۳)۔

غرض بزرگوں کے حالات اور حدیث وغیرہ سے بھی یہ بات ثابت ہوتی

(۱) وہ وقت آ گیا ہے کہ میں بے لباس ہو جاؤں جسم کا لباس چھوڑ دوں اور سراسر جان وروح بنجاؤں (۲) اگر ملک الموت میرے پاس میری جان نکالنے کے لئے آئے تو جب تک میں تیرا چہرہ نہ دیکھ لوں روح نکالنے کی اجازت نہیں دونگا (۳) تو انکار نہ کر اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں۔

ہے کہ ان بزرگوں کی وفات کا دن یوم العرس ہے لیکن لوگوں نے اس کے مفہوم و مصداق دونوں کو بالکل خراب کر دیا ہے۔ مصداق کی خرابیاں تو ظاہر ہیں کہ تمام شرک و بدعت اس عرس کا جزو ہوگئی' باقی مفہوم کی خرابی یہ کہ اس لفظ کے لغوی معنی لے کر شادی کے لوازم بھی وہاں جمع کر دیئے چنانچہ اکثر جگہ رسم ہے کہ بزرگوں کی قبر پر مہندی چڑھاتے ہیں نوبت نقارہ رکھتے ہیں اسی طرح مزامیر (۱) وغیرہ سب لغو حرکتیں جمع کر رکھی ہیں غریب مردہ پر تو بس چلتا نہیں قبر کی گت بنائی جاتی ہے' تو حقیقت میں وہ یوم العرس اس اعتبار سے ہے کہ جس کو ذکر کیا گیا وہ ان بزرگوں کی خوشی کا دن ہے اور یہ کوئی دنیوی خوشی نہیں ہے تو اس میں کوئی طریقہ مقرر کرنے کے لئے ضرورت وحی کی ہوگی اور وحی ہے نہیں بلکہ اس کے خلاف پر وحی ہے چنانچہ ظاہر ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں: (لَا تَتَّخِذُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا) ''کہ میری قبر کو عید نہ بنانا'' عید میں تین چیزیں ضروری ہیں ایک اجتماع' دوسرے تعین وقت تیسرے فرحت' تو ممانعت کا خلاصہ یہ ہوا کہ میری قبر پر کسی یوم معین میں سامان فرحت کے ساتھ اجتماع نہ کرنا ہاں اگر خود بخود کسی وقت میں کسی غرض سے اجتماع ہو جاوے تو اور بات ہے دوسرے حضورؐ کا یہاں سے تشریف لے جانا اگرچہ آپ کے لئے باعثِ سرور ہے لیکن ہمارے لئے تو باعثِ حزن ہے اور حضورؐ کی وفات سے جو ہم پر نعمت کامل فرمائی ہے جس کو میں نے ''نشر الطیب'' میں لکھا ہے وہ دوسرے اعتبار سے ہے پس جب حضورے کی قبر پر ایسا اجتماع جائز نہیں تو دوسروں کی قبر پر ایسا اجتماع کیونکر جائز ہوگا؟

اور عجیب برکت ہے کہ آج تک حضور اقدس ﷺ کی قبر پر اجتماع کا کوئی خاص دن معین نہیں ہوا بحمداللہ اس مسئلہ کی تحقیق کافی ہوگئی۔

(۱) گانے بجانے کے آلات۔

عیدِ مطلوب

خلاصہ یہ ہے کہ حدیث سے ہم کو افطار اکبر پر عید کرنے کا حکم ہے اور اس میں یہ باتیں ہونی چاہئیں۔ ملاقات کرو، خوش ہوا، کثار صدقہ (۱) کرو سب مجتمع ہو کر عیدگاہ میں دوگانہ ادا کرو۔

صاحبو! غور کیجئے کہ خدا تعالیٰ ہماری خوشی کو بھی کس انداز پر دیکھنا چاہتے ہیں کہ اس میں نماز کا حکم فرمایا، اکثار صدقہ کا حکم فرمایا کہ یہ زکوٰۃ کے مشابہ ہے اور نماز کی بھی ایک خاص ہیئت مقرر فرمائی کہ اس میں چند تکبیریں بڑھادیں کہ امتیاز علامت ہے اہتمام شان کی اور اسی لفظ سے قرآن میں بھی ارشاد ہے: ﴿وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ﴾ (۲) اس میں ایک لطیف اشارہ اس طرف ہو گیا کہ ﴿لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ﴾ میں تکمیل رمضان مراد ہو اور ﴿لِتُكَبِّرُوا﴾ سے عید اور ایک حکمت دیکھئے مسلمان میں دو چیزیں ہیں ایک دین اور ایک طبیعت اور جس طرح اس کی طبیعت میں بعض امور کا جوش اور تقاضا پیدا ہوتا ہے اسی طرح اس کے دین کو بھی جوش ہوتا ہے اور ان دونوں کی معدّل عقل ہوتی ہے۔

پس خدا تعالیٰ نے جوشِ دین کا تو یہ انتظام فرمایا کہ نماز مقرر فرمائی اور جوش طبیعت کا یہ انتظام فرمایا کہ اس دن اچھے سے اچھا کپڑا پہننے کی اجازت دی، سبحان اللہ! شریعت کا کیا پاکیزہ انتظام ہے کسی نے خوب کہا ہے گویا جمال شریعت ہی کی شان میں ہے ؎

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست (۳)

---

(۱) صدقہ کی کثرت کرو (۲) سورۃ: البقرہ ۱۸۵ (۳) مانگ سے قدم تک جس جگہ بھی دیکھتا ہوں تیری کشش دامن دل کو کھینچتی ہے کہ دیکھنے کی جگہ تو یہی ہے۔

احکامِ عید

افسوس اس شریعت کو لوگوں نے بھیانک صورت میں ظاہر کیا اور لوگوں کو اس سے متوحش (۱) بنادیا ورنہ وہ تو عجیب دلفریب ہے یہ احکام تھے عید کے متعلق لیکن عید کے متعلق فرعی احکام میں نے اس وقت اس لئے بیان نہیں کئے کہ متعدد بار بیان ہو چکے ہیں' مثلاً چاند دیکھنے میں کوشش کرنا' خبروں کے اعتبار کرنے میں احتیاط کرنا وغیرہ۔ لیکن صدقۂ فطر کے متعلق اس وقت اتنا بیان کرتا ہوں کہ جس کے پاس پچاس روپیہ (۲) کی مالیت اپنی حاجت سے زیادہ ہو اس پر واجب ہے کہ اپنی اور اپنے چھوٹے بچوں کی طرف سے پونے دو سیر پختہ گندم مساکین کو دیدو مگر تنخواہ میں دینا درست نہیں کیونکہ تنخواہ دار کی تنخواہ میں دینے سے صدقۂ فطر ادا نہیں ہوتا۔

ہاں ایک فضیلت یومِ عید اور یاد آئی حدیث میں آیا ہے کہ لوگوں کے عیدگاہ میں جمع ہونے کے بعد خدا تعالیٰ فرشتوں کو مخاطب بنا کر فرماتے ہیں (مَاجَزَاءُ اَجِیْرٍ وَفّٰی عَمَلَهٗ) ''اس مزدور کو کیا بدلہ دیا جاوے جس نے اپنے عمل کو پوری طرح کیا ہو'' فرشتے عرض کرتے ہیں کہ (جَزَاءُ اَنْ یُّوَفّٰی اَجْرُهٗ) کہ اس کی جزا یہ ہے کہ اسے پوری مزدوری دیجاوے خدا تعالیٰ فرماتے ہیں کہ (وَعَزَّتِی وَ جَلَالِی وَارْتِفَاعِ شَانِی لَاَ غْفِرَلَهُمْ فَیَرْجِعُوْنَ مَغْفُوْرًا لَّهُمْ) یعنی ''خدا تعالیٰ فرماویں گے کہ اپنے جلال اور عزت کی قسم آج میں ان کی مغفرت کئے دیتا ہوں'' رسول مقبول ﷺ اس گفتگو کو نقل فرما کر ارشاد فرماتے ہیں کہ بس لوگ بخشے بخشائے واپس آتے ہیں تو اس حدیث کے سننے کے بعد اب لوگوں کو غور کرنا چاہئے

(۱) پریشان کیا (۲) یہ اس زمانے میں تھا آج کل نہیں آج کل جس کے پاس ۵۲ تولہ چاندی کے بقدر مال ضرورت سے زائد موجود ہو اس پر واجب ہے اُس زمانے میں ۵۲ تولہ چاندی شاید پچاس روپے میں آتی ہو۔

کہ عیدگاہ میں کیسی ہیئت بنا کر چلنا چاہیئے کہ اس کرامت کے اہل تو ہوں۔

افسوس ہے کہ اکثر لوگ داڑھی ترشواتے ہیں آج سے توبہ کرلیں ہمیشہ کے لئے نہ ہوسکے تو عید بقرعید کے گزرنے تک تو اس سے بچے رہیں کہ ان وقتوں میں بڑی حاضری ہوتی ہے اور میں کہتا ہوں کہ اگر داڑھی نہ منڈائی جائے تو کوئی نقصان بھی تو نہیں اور منڈانے سے کوئی نفع بھی تو حاصل نہیں ہوتا پھر اس بے لذت گناہ سے کیا نتیجہ کہ خدا کے سامنے ذلیل بھی ہوئے دنیا میں کچھ مزا تک بھی نہ آیا۔

اسی طرح بعض لوگ ریشمی لباس پہن کر عیدگاہ میں جاتے ہیں ان لوگوں کو سمجھنا چاہیئے کہ ان کی نماز مقبول نہیں ہوتی۔ نیز اپنے لڑکوں کو بھی ایسا لباس نہ پہناویں۔

صاحبو! کیا کسی بادشاہ کے دربار میں جاتے ہوئے کوئی شخص بغاوت کے تمغے سجا کر جاسکتا ہے پھر کیا خدا کی عظمت شاہانِ دنیا کے برابر نہیں' اس کو سوچو اور خدا تعالیٰ کے عذاب کو پیش نظر رکھ کر ان سب خرافات سے باز آجاؤ۔

اب خدا تعالیٰ سے دعا کرو کہ توفیقِ عمل دے۔

آمین یارب العلمین (۱)

تمت بالخیر

(۱) اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ خلیل احمد تھانوی ۲ شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ

اکمال الصوم والعید

(رمضان وعید کی تکمیل)

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱	خطبہ ماثورہ	۳
۲	تمہید	۳
۳	خطبۂ شعبان	۳
۴	ترکِ مصالح	۴
۵	عیدگاہ کی حاضری	۷
۶	اشکال کا جواب	۸
۷	جماعت سے نماز پڑھنے کی حکمتیں	۹
۸	اصلاحِ مفسدہ	۱۰
۹	بدعتِ خطبۃ الوداع	۱۱
۱۰	شرطِ اجتہاد	۱۱
۱۱	دیہات میں جمعہ	۱۲
۱۲	عزتِ عقل	۱۳
۱۳	حکایت	۱۴
۱۴	صوفیہ کی دو اقسام	۱۵
۱۵	اہل اللہ کی برکات	۱۶

۱۶	بدکاروں کا وبال	۱۶
۱۷	حمّیتِ دینی	۱۷
۱۸	حضرت طلحہؓ کی غیرت	۱۹
۱۹	خاصیتِ محبت وغیرت	۲۰
۲۰	صحابہؓ کی حضورؐ سے محبت	۲۱
۲۱	فضل ربی	۲۲
۲۲	شبہ کا جواب	۲۴
۲۳	مسندِ ارشاد پر کامل العقل فائز ہوتے ہیں	۲۵
۲۴	اقسامِ انسان	۲۶
۲۵	عقل اور تجربہ میں فرق	۲۶
۲۶	مولوی صاحب کی ذہانت	۲۷
۲۷	استغناء اسلاف	۲۸
۲۸	حضرت عمرؓ کا عدل	۲۹
۲۹	اخوتِ اسلامی	۳۰
۳۰	مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کی عاجزی	۳۰
۳۱	جبلہ کا امتحان	۳۱
۳۲	طلبِ صادق	۳۳
۳۳	عنایتِ توفیق	۳۴
۳۴	جذب ہی سے کام بنتا ہے	۳۵

۳۵	آدابِ دعاء	۳۶
۳۶	حقوقِ روزہ	۳۷
۳۷	عبادات میں ادائیگی حقوق کا اہتمام	۳۸
۳۸	استغناء ورحمت	۳۹
۳۹	الطاف ومراحم کی گھڑی	۴۱
۴۰	اہل اللہ اور نیک لمحات کی قدر کرو	۴۲
۴۱	حقیقتِ استغفار	۴۳
۴۲	احسان شناسی کا تقاضا	۴۴
۴۳	مالِ حرام اور روزہ	۴۶
۴۴	فرحتِ عید الفطر	۴۶
۴۵	عید میلاد النبیؐ؟	۵۰
۴۶	حکایت	۵۱
۴۷	صومِ یومِ میلاد	۵۲
۴۸	حقیقتِ عرس	۵۳
۴۹	عرس کی خرابیاں	۵۶
۵۰	عیدِ مطلوب	۵۸
۵۱	احکامِ عید	۵۹